ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

خدارا! دشمن کی سازش کو سمجھئے!!

اسرائیل کے نئے وزیر خارجہ ایگدور لیبرمین نے کہا ہے کہ ایران کے برعکس اب افغانستان اور پاکستان اسرائیل کے لیے سب سے بڑا سٹریٹیجک خطرہ ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ اگرچہ ایران کی صورت میں اسرائیل کے لیے ممکنہ جوہری خطرہ موجود ہے‘ لیکن اِس وقت پاکستان اور افغانستان میں سامنے آنے والے مسائل زیادہ اہم ہیں‘ اور یہ دونوں ممالک نہ صرف اسرائیل بلکہ عالمی نظام کے لیے بھی خطرہ ہیں۔ اُنہوں نے پاکستان کو ایک غیر مستحکم جوہری طاقت قرار دیا اور افغانستان پر طالبان کے قبضے کا خدشہ ظاہر کیا۔عین ممکن ہے کہ بعض لوگ اسرائیل کے وزیر خارجہ کے اس بیان پر حیران ہوں کہ جس ایران کے خلاف اسرائیل ایک عرصہ سے شور وغوغا کر رہا تھا اور اُسے اپنی سلامتی کا سب سے بڑا دشمن قرار دے رہا تھا‘ اچانک اپنی دشمنی کے حوالہ سے اُس پر پاکستان کو ترجیح کیوں دے دی ہے اور پاکستان کو اپنا اوّلین اور بدترین دشمن کیوں قرار دے دیا ہے؟ لیکن جو لوگ اسرائیل کی تاریخ پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور یہودی ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہیں اُن کے لیے قطعی طور پر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اسرائیل جو عمر میں پاکستان سے ایک سال چھوٹا ہے‘ اپنی پیدائش کے فوری بعد پاکستان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ذہین چالاک اور عیار یہودی سمجھ گیا تھا کہ ایک نظریاتی اسلامی ریاست اُس کے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔لہٰذا شروع ہی میں پاکستان کی قیادت پر سنہرا جال ڈالنے کی کوشش کی گئی۔لیاقت علی خان کو امریکہ کے دورہ کے دوران اسرائیل کو تسلیم کرنے کے عوض وسیع پیمانے پر امداد کی پیشکش ہوئی‘ جسے لیاقت علی خان نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ "Our souls are not for sale!"۔اُس وقت سے لے کر آج تک اسرائیل پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اور پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔سب سے پہلے لیاقت علی خان کو اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹایا اور لگاتار اس کوشش میں رہا کہ وہ پاکستانی قیادت پر ڈورے ڈال سکے‘ اور سچی بات یہ

ہے کہ وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوگیا' اگرچہ عوامی دباؤ کے باعث کوئی پاکستانی حکمران اسرائیل کو تسلیم کرنے یا اس کی کھلم کھلا حمایت کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں پاکستان کی فضائیہ نے عربوں کی مدد کی اور سرائیلی فضائیہ کو زک پہنچائی' جس سے پاکستان اور اسرائیل کی دشمنی مزید بڑھ گئی۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کو مکمل شکست ہوئی' جس کا جشن یہودیوں نے فرانس میں منایا اور ایک تقریب میں اُس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم بن گوریان نے صاف صاف اعلان کیا کہ ہماری اصل جنگ عربوں سے نہیں پاکستان سے ہے اور پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔

پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے ''بندہ کرے کولّیاں تے رب کرے سولّیاں''۔ یعنی بندہ احمقانہ حرکات کرتا ہے اور رب اُس کے لیے پھر بھی آسانیاں پیدا کردیتا ہے۔ امریکہ پر بھوت سوار تھا کہ وہ سوویت یونین کو نیچا دکھا کر دنیا کی واحد سپر قوت بن جائے۔ اسرائیل جانتا تھا کہ سوویت یونین عرب مسلمان ممالک کا جھوٹا اور بے وفا دوست ہے' لیکن پھر بھی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ کوئی سپر قوت عربوں کی پشت پر ظاہری طور پر بھی رہے۔ لہٰذا امریکہ اور اسرائیل نے مل کر سوویت یونین کو شکست و ریخت سے دوچار کردیا اور اس معاملے میں اُنہوں نے پاکستان کو استعمال کیا۔ پاکستانی قیادت کو اللہ نے توفیق اور عقل دی کہ جب امریکہ سوویت یونین سے نبرد آزما تھا اور اس حوالہ سے پاکستان اُس کا بڑا لاڈلا ملک بنا ہوا تھا' پاکستان جوہری قوت بن گیا۔ سوویت یونین سے فارغ ہو کر امریکہ اور اسرائیل کو ہوش آئی کہ اُن سے کتنی بڑی کوتاہی ہوئی ہے کہ پاکستان جوہری قوت بن گیا ہے۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

پاکستان کی حکومت' اپوزیشن' مذہبی رہنماؤں اور عوام کو سمجھنا چاہئے کہ اسرائیل اور امریکہ اپنی اس کوتاہی کی تلافی میں مصروف ہیں' یعنی وہ پاکستان کو ہر قیمت پر ایٹمی اثاثہ جات سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ نائن الیون کا جو ڈرامہ رچایا گیا تھا وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یعنی افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کا تیا پانچہ کردیا جائے' اور اگر پاکستان اس میں رکاوٹ بنے تو موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس کے ایٹمی اثاثہ جات کو تباہ کردیا جائے۔ وگرنہ بصورت دیگر جب امریکی افواج افغانستان میں موجود ہوں گی تو وہ کوئی نہ کوئی عذر تراش کر ہمسایہ ملک پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کو تباہ کرسکیں گی یا اُس کا کنٹرول حاصل کرسکیں گی۔ لہٰذا دہشت گردی کی جنگ وہ عذرِ لنگ ہے جو اس کلی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تراشا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے مشرف کے امریکہ سے تعاون کرنے کے منحوس فیصلے کو ہمارے

(باقی صفحہ 96 پر)

سُورۂ اٰلِ عِمران

آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹

﴿وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ
عَلِيۡمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ
بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ
فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا
جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَـكُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ
اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا
خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ
ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾

یہاں سے سورۂ آلِ عمران کے نصفِ ثانی کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے‘ جو چھ رکوعات پر محیط ہے۔ یہ چھ رکوع مسلسل غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل ہیں۔ غزوۂ اُحد شوال ۳ ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے رمضان ۲ ھ میں غزوۂ بدر پیش آ چکا تھا‘ جس کا تذکرہ ہم سورۃ الانفال میں پڑھیں گے۔ اس لیے کہ ترتیبِ مصحف نہ تو ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی ترتیبِ نزولی کے مطابق۔ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو بہت زبردست فتح دی تھی اور کفارِ مکہ کو بڑی زَک پہنچی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) سربرآوردہ لوگ مارے گئے تھے' جن میں قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ اہل مکہ کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور ان کے انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر انہوں نے پوری تیاری کی اور تمام ساز وسامان جو وہ جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ ابوجہل غزوۂ بدر میں مارا جا چکا تھا اور اب قریش کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان تھے۔ (ابوسفیان چونکہ بعد میں ایمان لے آئے تھے اور صحابیت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے تھے لہٰذا ہم ان کا نام احترام سے لیتے ہیں۔) ابوسفیان تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اہل مکہ اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے اس دفعہ اپنے بچوں اور خاص طور پر خواتین کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی غیرت بیدار رہے کہ اگر کہیں میدان سے ہمارے قدم اکھڑ گئے تو ہماری عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ (وہ بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں۔) غزوۂ بدر میں ہندہ کا باپ' بھائی اور چچا مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکے تھے' لہٰذا اس کے سینے کے اندر بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مکہ کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی فرد غزوۂ بدر میں مارا نہ گیا ہو۔

اس موقع پر نبی اکرمﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے' جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہﷺ کا اپنا رجحان اس طرف تھا کہ اس صورت حال میں ہم اگر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں تو بہتر رہے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن وہ لوگ جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے اور وہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں کی طرف سے خصوصی جوش وخروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں میدان میں نکل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے' ہمیں تو شہادت درکار ہے' ہمیں آخر موت سے کیا ڈر ہے؟ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

چنانچہ رسول اللہﷺ نے اُن کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرما دیا کہ دشمن کا کھلے

میدان میں مقابلہ کیا جائے گا۔ نبی اکرمﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا' لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ تین سو منافقین کے چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر میں صرف سات سو افراد باقی رہ گئے تھے' جن میں کمزور ایمان والے بھی تھے۔ چنانچہ دامن اُحد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈگمگائے اور انہوں نے واپس لوٹنا چاہا' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا اور ان کے قدم جما دیے۔

اس کے بعد جنگ ہوئی تو اللہ کی طرف سے مدد آئی۔ اللہ نے لشکر اسلام کو فتح دے دی اور مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی اکرمﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا تھا اور اس کے دامن میں صف بندی کی تھی۔ سامنے دشمن کا لشکر تھا۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا اور حضورﷺ کو اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں سے ہم پر حملہ ہو جائے اور ہم دو طرف سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جائیں۔ لہٰذا آپﷺ نے اس درہ پر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی امارت میں پچاس تیر انداز تعینات فرما دیے تھے اور انہیں تاکید فرمائی تھی یہاں سے مت ہلنا۔ چاہے تم دیکھو کہ ہم سب مارے گئے ہیں اور ہمارا گوشت چیلیں اور کوّے نوچ رہے ہیں تب بھی یہ جگہ مت چھوڑنا! لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہوگئی تو درے پر مامور حضرات میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں جو اتنی تاکید فرمائی تھی وہ تو شکست کی صورت میں تھی' اب تو فتح ہوگئی ہے' لہٰذا اب ہمیں بھی چل کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں باقی سب لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ وہاں کے لوکل کمانڈر تھے' وہ انہیں منع کرتے رہے کہ یہاں سے ہرگز مت ہٹو' رسول اللہﷺ کا حکم یاد رکھو۔ لیکن وہ تو حضورﷺ کے حکم کی تاویل کر چکے تھے۔ ان میں سے ۳۵ افراد درہ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف ۱۵ باقی رہ گئے۔

خالد بن ولید (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مشرکین کی گھڑ سوار فوج (cavalry) کے کمانڈر تھے۔ ان کی عقابی نگاہ نے دیکھ لیا کہ وہ درہ خالی ہے۔ ان کی پیدل فوج (infantry) شکست کھا چکی تھی اور بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے دو سو گھڑ سواروں کے دستے کے ساتھ اُحد کا چکر کاٹ کر پشت سے اس درے کے راستے مسلمانوں پر

حملہ آور ہو گئے۔ درے پر صرف پندرہ تیر انداز باقی تھے‘ ان کے لیے دو سو گھڑ سواروں کی یلغار کو روکنا ممکن نہیں تھا اور وہ مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملے سے یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی ہو گئے۔ خود کی کڑیاں آپؐ کے رخسار میں گھس گئیں اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ خون اتنا بہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہو گئی‘ اور یہ بھی مشہور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پکارا تو لوگ ہمت کر کے جمع ہوئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت پہاڑ پر چڑھ کر بچاؤ کر لیا جائے‘ اور آپ تمام مسلمانوں کو لے کر کوہِ اُحد پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور خالد بن ولید کے مابین اختلافِ رائے ہو گیا۔ خالد بن ولید کا کہنا تھا کہ ہمیں ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنا چاہیے اور انہیں ختم کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان بڑے حقیقت پسند اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں‘ مسلمان اونچائی پر ہیں‘ وہ اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور تیر برسائیں گے تو ہمارے لیے شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے‘ یہی بہت ہے۔ چنانچہ مشرکین وہاں سے چلے گئے۔ مطالعۂ آیات سے قبل غزوۂ احد کے سلسلۂ واقعات کا یہ اجمالی خاکہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِکَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ﴾ ’’اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یاد کیجیے جبکہ صبح کو آپؐ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے میدان میں صف بندی کر رہے تھے‘ وہاں مورچے معین کر رہے تھے اور ان میں صحابہ کرامؓ کو مامور کر رہے تھے۔

غزوۂ اُحد کی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے برآمد ہوئے تھے اور جنگ کے میدان میں صف بندی کر رہے تھے‘ وہاں مورچے معین کر رہے تھے اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور کر رہے تھے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲۱﴾﴾ ’’جبکہ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۲۲ ﴿اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡکُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا﴾ ’’جبکہ تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے‘‘

انہوں نے کچھ کمزوری دکھائی‘ حوصلہ چھوڑنے لگے اور ان کے پاؤں لڑکھڑائے۔

﴿وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا﴾ ”حالانکہ اللہ ان کا پشت پناہ تھا۔“

﴿وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۲﴾﴾ ”اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو“۔

جنگ کے آغاز سے پہلے انصار کے دو گھرانوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم وقتی طور پر ڈگمگا گئے تھے‘ بر بنائے طبع بشری ان کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات عطا فرمایا اور ان کے قدموں کو جما دیا۔ پھر ان کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿مِنْکُمْ﴾ اور ﴿وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا﴾ کے الفاظ میں کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تین سو منافقین جو میدانِ جنگ سے چلے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ ان کا براہِ راست ذکر کیا جائے۔ البتہ آخر میں ان کا ذکر بالواسطہ طور پر (indirectly) آئے گا۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ﴾ ”اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔“

غزوۂ بدر میں ایک ہزار مشرکین کے مقابلے میں اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے‘ جبکہ سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں۔ کل آٹھ تلواریں تھیں۔ کفارِ مکہ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ لے کر آئے تھے اور ادھر صرف دو گھوڑے تھے۔ اُدھر سات سو اونٹ تھے اور اِدھر ستر اونٹ تھے۔ اس سب کے باوجود اللہ نے تمہاری مدد کی تھی اور تمہیں اپنے سے طاقتور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تھا۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴿۱۲۳﴾﴾ ”تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم اللہ کا (صحیح معنی میں) شکر ادا کر سکو۔“

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ﴿۱۲۴﴾﴾ ”(اے نبیﷺ!) جب آپ کہہ رہے تھے اہل ایمان سے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اُترنے والے ہوں گے؟“

یعنی اے مسلمانو! اگر مقابلے میں تین ہزار کا لشکر آ گیا ہے تو کیا غم ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے بھیجے گا جو آسمان سے اُتریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیﷺ کی اس خوشخبری کو، جو ایک طرح سے استدعا بھی ہو سکتی تھی، فوری طور پر شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اس کی منظوری کا اعلان فرما دیا۔

آیت ۱۲۵ ﴿بَلٰٓی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ہٰذَا﴾ ''کیوں نہیں (اے مسلمانو!) اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر رہو گے اور اگر وہ فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں''

﴿یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت''

﴿وَ لِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِہٖ﴾ ''اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱۲۶﴾﴾ ''ورنہ مدد تو ہوتی ہی اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے طور پر تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تمہیں بتا دیا گیا ہے، ورنہ اللہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے، وہ ''کُن فیکون'' کی شان رکھتا ہے۔ تمہیں یہ بشارت تمہاری طبع بشری کے حوالے سے دی گئی ہے کہ اگر تین ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہوا تو تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے اتر آئیں گے، اور اگر وہ فوری طور پر حملہ آور ہو گئے تو ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے۔

آیت ۱۲۷ ﴿لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا﴾ ''(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے''

﴿اَوۡ یَکۡبِتَہُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ''یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائیں۔''

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرہ زمانی

ترتیب سے نہیں ہے۔ سب سے پہلے رسول اللہﷺ کا اپنے گھر سے نکل کر میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے پہلے کا ذکر ہو رہا ہے جب خبریں پہنچی ہوں گی کہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے اور رسول اللہﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی خوشخبری دی ہوگی۔ اب اس جنگ کے دوران مسلمانوں سے جو کچھ خطائیں اور غلطیاں ہوئیں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ خود آنحضورﷺ سے بھی خطا کا ایک معاملہ ہوا' اس پر بھی گرفت ہے' بلکہ سب سے پہلے اسی معاملے کو لیا جا رہا ہے۔ جب آپﷺ شدید زخمی ہو گئے اور آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی' پھر جب ہوش آیا تو آپﷺ کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

((كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ))(۱)

''یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!''

تلوار کا وار آنحضورﷺ کے رخسار کی ہڈی پر پڑا تھا اور اس سے آپؐ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ زخم سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا جس سے آپﷺ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا تھا۔ خون اتنی مقدار میں بہہ گیا تھا کہ آپﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپﷺ ہوش میں آئے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ......﴾ اے نبیؐ اس معاملے میں آپؐ کا کوئی اختیار نہیں ہے' آپؐ کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کے فیصلے ہم کرتے ہیں۔ اور دیکھئے اللہ نے کیا شان دکھائی؟ جس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی' یعنی خالد بن ولید' اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے اسے ''سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا خطاب دلوا دیا۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ ''(اے نبیؐ) اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں''

---

(۱) سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب الصبر علی البلاء۔ ومسند احمد:۱۲۷۲۵۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

﴿اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ﴾ ’’اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے‘‘
یہ اللہ کے اختیار میں ہے‘ وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا‘ وہ ایمان لے آئیں گے‘ یا اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا۔

﴿فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔‘‘

ان کے ظالم ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘ لہٰذا وہ سزا کے حق دار تو ہو چکے ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ دیکھئے‘ یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ چند سال پہلے طائف میں رسول اللہ ﷺ سے جس طرح بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا وہ آپؐ کی زندگی کا شدید ترین دن تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یہ ملک الجبال حاضر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے‘ آپؐ فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی کے اندر یہ شہر طائف آباد ہے‘ تاکہ یہ سب پس جائیں‘ ان کا سرمہ بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں‘ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بربنائے طبع بشری زبان مبارک سے وہ جملہ نکل گیا۔ اس لیے کہ: ؎

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنۡ تَنَزَّلَ
وَالۡعَبۡدُ عَبۡدٌ وَاِنۡ تَرَقّٰی

’’ربّ‘ ربّ ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرمالے‘ اور بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہوجائے!‘‘

آیت ۱۲۹ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔‘‘

﴿یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ’’وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۹﴾﴾ ’’اور اللہ غفور ورحیم ہے۔‘‘

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۳

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا
فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ
تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۱۴۳﴾﴾

آیت ۱۳۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ ''اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا''

یہاں پر سود مرکب (compound interest) کا ذکر آیا ہے جو بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ واضح رہے کہ شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ایک مکی سورۃ' سورۃ الروم میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت اور شناعت کو واضح کر دیا گیا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِىْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ج وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴿۳۹﴾﴾ جیسے کہ شراب اور جوئے کی خرابی کو سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں بیان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آیت زیر مطالعہ میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے

روک دیا گیا۔ ہمارے ہاں آج کل بھی ایسے سودخور موجود ہیں جو بہت زیادہ شرح سود پر لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور ان کا خون چوس جاتے ہیں۔ تو یہاں اس سود کی مذمت آئی ہے۔ سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ھ میں نازل ہوا' لیکن ترتیب مصحف میں وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ وہ پورا رکوع (نمبر ۳۸) ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ وہاں پر سود کو دوٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سودخوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اس کے رسولﷺ کی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات کے درمیان سودخوری کی مذمت کیوں بیان ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درے پر مامور پچاس تیر اندازوں میں سے پینتیس اپنی جگہ چھوڑ کر جو چلے گئے تھے تو ان کے تحت الشعور میں مالِ غنیمت کی کوئی طلب تھی' جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس حوالے سے سودخوری کی مذمت بیان کی گئی کہ یہ بھی انسان کے اندر مال و دولت سے ایسی محبت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کے کردار میں بڑے بڑے خلا پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ۱۳۱ ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴿۱۳۱﴾﴾ ''اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ﴾ ''اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کے حصول کے لیے اور اُس جنت کو حاصل کرنے کے لیے جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین جتنا ہے''

﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ﴿۱۳۳﴾﴾ ''وہ تیار کی گئی ہے (اور سنواری گئی ہے) اہل تقویٰ کے لیے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں کشادگی میں بھی اور تنگی میں بھی''

یہاں بھی تقابل ملاحظہ کیجیے کہ سود کے مقابلے میں انفاق کا ذکر ہوا ہے۔

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''اور وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

یہ درجۂ احسان ہے' جو اسلام اور ایمان کے بعد کا درجہ ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ ''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے''

﴿فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''پس وہ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔''

یہ مضمون سورۃ النساء میں آئے گا کہ کسی مسلمان شخص سے اگر کوئی خطا ہو جائے اور وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب ٹھہرالیا ہے کہ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔

﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟''

﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾﴾ ''اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔''

یعنی ایسا نہیں کہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں کہ موت آنے پر توبہ کر لیں گے۔ اُس وقت کی توبہ توبہ نہیں ہے۔ ایک مسلمان سے اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ ہوش آنے پر اللہ کے حضور گڑگڑائے' عزم مصمم کرے کہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا' اور پوری پشیمانی کے ساتھ صمیم قلب سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کا بدلہ ہے ان کے رب کی طرف سے مغفرت''

﴿وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''اور وہ باغات کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ﴿۱۳۶﴾﴾ ''اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ ۙ﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے حالات و واقعات گزر چکے ہیں''

﴿فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''تو زمین میں گھومو پھرو''

﴿فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے تو راستے میں قومِ ثمود کا مسکن بھی آتا تھا اور وہ بستیاں بھی آتی تھیں جن میں کبھی حضرت لوط علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ ان کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔

آیت ۱۳۸ ﴿ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوۡعِظَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ﴿۱۳۸﴾﴾ ''یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے حق میں۔''

آیت ۱۳۹ ﴿وَلَا تَھِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا﴾ ''اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ''

﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴿۱۳۹﴾﴾ ''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔''

یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب و سربلند ہو گے' آخری فتح تمہاری ہوگی' بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔ یہ آیت ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ آج دنیا میں جو ہم ذلیل ہیں' غالب و سربلند نہیں ہیں' تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے' ہم حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ ہم جس ایمان کے مدعی ہیں وہ محض ایک موروثی عقیدہ ہے' یقین قلبی اور conviction والا ایمان نہیں ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اُمت کے اندر حقیقی ایمان موجود ہو اور پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو۔

آیت ۱۴۰ ﴿اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ﴾ ''اگر تمہیں اب چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ایسا ہی چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔''

اہل ایمان کو غزوۂ اُحد میں اتنی بڑی چوٹ پہنچی تھی کہ ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی۔ انصار کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کا

کوئی فرد شہید نہ ہوا ہو۔ رسول اللہﷺ اور مسلمان جب مدینہ واپس آئے تو ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس وقت تک میت پر بین کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ عورتیں مرثیے کہہ رہی تھیں‘ بین کر رہی تھیں‘ ماتم کر رہی تھیں۔ اس حالت میں خود آنحضورﷺ کی زبانِ مبارک سے الفاظ نکل گئے: لٰکِنَّ حَمْزَۃَ لَا بَوَاکِیَ لَہٗ!(۱) ”ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والیاں بھی نہیں ہیں!“ کیونکہ مدینہ میں حضرت حمزہؓ کی کوئی رشتہ دار خواتین نہیں تھیں۔ حمزہؓ تو مہاجر تھے۔ انصار کے گھرانوں کی خواتین اپنے اپنے مقتولوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ پھر انصار نے اپنے گھروں سے جا کر خواتین کو حضرت حمزہؓ کی ہمشیرہ حضرت صفیہؓ کے گھر بھیجا کہ وہاں جا کر تعزیت کریں۔ بہر حال دکھ تو محمد رسول اللہﷺ کو بھی پہنچا ہے۔ آخر آپؐ کے سینے کے اندر ایک حساس دل تھا‘ پتھر کا کوئی ٹکڑا تو نہیں تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرما رہا ہے کہ اتنے غمگین نہ ہو‘ اتنے ملول نہ ہو‘ اتنے دل گرفتہ نہ ہو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو اس جیسا چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔ ایک سال پہلے ان کے بھی ستر افراد مارے گئے تھے۔

﴿وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ﴾ ”یہ تو دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔“

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کو ہم ایک سی کیفیت میں نہیں رکھتے۔

﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون حقیقتاً مؤمن ہیں“

اگر امتحان اور آزمائش نہ آئے‘ تکلیف نہ آئے‘ قربانی نہ دینی پڑے‘ کوئی زک نہ پہنچے تو کیسے پتا چلے کہ حقیقی مؤمن کون ہے؟ امتحان و آزمائش سے تو پتا چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہا۔ اللہ تعالیٰ جاننا چاہتا ہے‘ دیکھنا چاہتا ہے‘ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس نے اپنا سب کچھ لگا دیا؟ کس نے صبر کیا؟

﴿وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ ط﴾ ”اور وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو مقامِ شہادت

---

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الجنائز‘ باب ما جاء فی البکاء علی المیت۔ ومسند احمد: ۵۵۳۸ و ۵۶۳۳۔ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما۔

عطا کرے۔‘‘

انہیں اپنی گواہی کے لیے قبول کر لے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾﴾ ’’اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کفار کی مدد کی ہے اور ان کو پسند کیا ہے (معاذ اللہ!)

آیت ۱۴۱ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾﴾ ’’اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ اللہ اہل ایمان کو بالکل پاک صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔‘‘

مسلمانوں میں سے خاص طور پر انصارِ مدینہ کی آزمائش مطلوب ہے جو ابھی ایمان لائے ہیں‘ ان میں کچھ پختہ ایمان والے ہیں‘ کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ وہ پورے طریقے سے پختہ ہو جائیں‘ اور اگر کوئی کچا ہی رہتا ہے تو وہ اہل ایمان سے کٹ جائے‘ تاکہ بحیثیتِ مجموعی جماعتی قوت کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔ تو یہ جو تمہارے اندر ہر طرح کے لوگ گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ کچھ مؤمن صادق ہیں‘ پختہ ایمان والے ہیں‘ کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں‘ تو اللہ تعالیٰ نے یہ تمحیص کی ہے کہ سب کو چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھیوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا‘ ورنہ ان کی اصلیت تم پر کیسے ظاہر ہوتی؟ ’’بحث و تمحیص‘‘ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحث کا معنی ہے کریدنا اور تمحیص الگ الگ کرنا۔

آیت ۱۴۲ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّـةَ﴾ ’’کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے‘‘

﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾﴾ ’’حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں ہے تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔‘‘

گویا ع ’’ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!‘‘ ابھی تو تمہارے لیے اس راستے میں کڑی سے کڑی منزلیں آنے والی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مضمون ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ زیر مطالعہ آیت کا نمبر ۱۴۲ ہے‘ یعنی ہندسوں کی صرف ترتیب بدلی

ہوئی ہے۔

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ﴾ ''اورتم تو موت کی تمنا کررہے تھے اس سے پہلے کہ اُس سے ملاقات ہوتی۔''

﴿فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۝۱۴۳﴾ ''سو اب تم نے اسے دیکھ لیا ہے اپنی آنکھوں سے۔''

یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو نئے نئے ایمان لائے تھے اوران میں سے خاص طور پر نوجوانوں نے کہا تھا کہ ہمیں تو شہادت چاہیے اور ہم تو کھلے میدان میں جا کر مقابلہ کریں گے۔ ان کے جذبات پر تھوڑا سا تبصرہ ہو رہا ہے کہ اُس وقت تو جوشِ قتال اور ذوقِ شہادت کا اظہار ہو رہا تھا' اب تم نے موت دیکھ لی ہے نا! تو یہ ہے موت جسے انسان اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔

آیات ۱۴۴ تا ۱۴۸

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡــًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ۝۱۴۴ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ۝۱۴۵ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ۝۱۴۶ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ۝۱۴۷ فَاٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝۱۴۸﴾

آیت ۱۴۴ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ﴾ ''محمد(ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔''

غزوۂ اُحد کے دوران جب یہ افواہ اڑگئی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے تو بعض لوگ بہت دل گرفتہ ہوگئے کہ اب کس لیے جنگ کرنی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن میں سے تھے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر تلوار پھینک دی اور دل برداشتہ ہوکر بیٹھ گئے کہ اب ہم نے جنگ کر کے کیا لینا ہے! یہاں اس طرزِ عمل پر گرفت ہورہی ہے کہ تمہارا یہ رویہ غلط تھا۔ محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' وہ معبود تو نہیں ہیں۔ تم ان کے لیے جہاد نہیں کررہے' بلکہ اللہ کے لیے کررہے ہو' اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنے جان و مال قربان کررہے ہو۔ محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔

﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

﴿اَفَائِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ﴾ ''تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا قتل کردیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

کیا اس صورت میں تم اُلٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے؟ کیا یہی تمہارے دین اور ایمان کی حقیقت ہے؟

﴿وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا﴾ ''اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

﴿وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝١٤٤﴾ ''ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ جذباتی انسان تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ گئے۔ آپؓ کی تقریباً یہی کیفیت پھر حضور ﷺ کے انتقال پر ہوگئی تھی۔ آپؓ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو کہے گا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے میں اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ''ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر'' اُس وقت مدینہ کے مضافات میں تھے۔ آپؓ آتے ہی سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر چادر تھی' آپؓ نے چادر ہٹائی اور جھک کر آنحضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو دیے۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول' میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی اب دوبارہ آپؐ پر موت وارد نہیں ہوگی' اب تو آپؐ کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوچکی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ باہر آئے اور لوگوں سے خطاب شروع کیا تو حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مَنۡ كَانَ يَعۡبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ

مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لاَ يَمُوْتُ ’’جو کوئی محمدﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدﷺ کا انتقال ہو چکا ہے‘ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تو زندہ ہے‘ جسے موت نہیں آئے گی‘‘۔ اس کے بعد آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سن کر لوگوں کو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔(۱)

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ’’اور کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر سکے مگر اللہ کے حکم سے‘‘۔

﴿كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ﴾ ’’(ہر ایک کی موت کا) وقت مقرر لکھا ہوا ہے‘‘۔

اجل معین کے ساتھ ہر ایک کا وقت طے ہے۔ لہٰذا انسان کی بہترین محافظ خود موت ہے۔ آپ کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی آپ کے لیے موت نہیں لا سکتا۔

﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُـؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ﴾ ’’جو کوئی دنیا کا اجر و ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں‘‘۔

﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُـؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ﴾ ’’اور جو واقعتاً آخرت کا اجر چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے‘‘۔

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۰۔۲۰۲ میں حج کے سلسلے میں آ چکا ہے۔

﴿وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ’’اور شکر کرنے والوں کو ہم بھرپور جزا دیں گے‘‘۔

آیت ۱۴۶ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ﴾ ’’کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی‘‘۔

اے مسلمانو! تمہارے ساتھ جو یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ پہلا تو نہیں ہے۔ اللہ کے بہت

---

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب المغازی‘ باب مرض النبیﷺ‘ و کتاب الجنائز‘ باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی کفنہ‘ و کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ‘ باب قول النبیﷺ: لو کنت متخذا خلیلا۔

سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سارے اللہ والوں نے‘ اللہ کے ماننے اور چاہنے والوں نے‘ اللہ کے دیوانوں اور متوالوں نے‘ اللہ کے غلاموں اور عاشقوں نے اللہ کے دشمنوں سے جنگیں کی ہیں۔ ’’رِبّی‘‘ اور ’’ربّانی‘‘ کا لفظ آج بھی یہودیوں کے ہاں استعمال ہوتا ہے۔

﴿فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ ’’تو اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیفیں ان پر آئیں اس پر انہوں نے ہمت نہیں ہاری‘‘

﴿وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا﴾ ’’اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی (باطل کے آگے) سرنگوں ہوئے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے۔‘‘

تو اے مسلمانو! ان کا کردار اپناؤ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

آیت ۱۴۷ ﴿وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا﴾ ’’اور اُن کا تو ہر مرحلے پر یہی قول ہوتا تھا کہ وہ دعا کرتے تھے کہ اے ربّ ہمارے! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور اگر ہم سے اپنے کسی معاملے میں حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اسے معاف فرما دے‘‘

﴿وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ’’اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔‘‘

حضرت طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی دعا تھی اور سورۃ البقرۃ کے اختتام پر آنے والی دعا کے الفاظ بھی یہی تھے: ﴿فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾۔

آیت ۱۴۸ ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ﴾ ’’تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کا بھی بہت ہی عمدہ حصہ عطا کیا۔‘‘

انہیں دنیا کی سربلندی بھی دی‘ فتوحات سے بھی نوازا اور آخرت کا بہترین اجر بھی عطا فرمایا۔

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند کرتا ہے۔‘‘

آیات ۱۴۹ تا ۱۵۵

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ
فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ۚ وَهُوَ خَيۡرُ النّٰصِرِيۡنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلۡقِىۡ
فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ
سُلۡطٰنًا‌ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ‌ ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ
وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ‌ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ
وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ‌ ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ
مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ ؕ
وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٥٢﴾ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ
وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا
عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ
اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآٮِٕفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآٮِٕفَةٌ
قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ‌ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ
هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ
اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا
قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ
قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ يَوۡمَ
الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا‌ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا
اللّٰهُ عَنۡهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿١٥٥﴾﴾

آیت ۱۴۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ﴾ ’’اے اہل ایمان! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنہوں نے کفر کی روش

اختیار کی ہے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل واپس لے جائیں گے‘‘

﴿فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ﴿۱۴۹﴾﴾ ’’پھر تم بالکل نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔‘‘

آیت ۱۵۰ ﴿بَلِ اللّٰہُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ﴾ ’’حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔‘‘

تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ تمہارا مولیٰ‘ مددگار‘ پشت پناہ‘ ساتھی اور حمایتی اللہ ہے۔

﴿وَ ہُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ﴿۱۵۰﴾﴾ ’’اور وہی ہے جو سب سے اچھا مددگار ہے۔‘‘

آیت ۱۵۱ ﴿سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾ ’’ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے‘‘

﴿بِمَاۤ اَشۡرَکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا ۚ﴾ ’’اس سبب سے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔‘‘

﴿وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئۡسَ مَثۡوَی الظّٰلِمِیۡنَ﴿۱۵۱﴾﴾ ’’اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ان ظالموں کے لیے۔‘‘

اس آیت میں دراصل توجیہہ بیان ہو رہی ہے کہ غزوۂ اُحد میں مشرکین واپس کیوں چلے گئے‘ جب کہ ان کو اس درجے کھلی فتح حاصل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لے لی تھی۔ خالد بن ولید کہہ رہے تھے کہ ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہیے اور اس معاملے کو ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان کے دل میں اللہ نے اُس وقت ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ لشکر کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ورنہ واقعتاً اُس وقت صورتِ حال بہت مخدوش ہو چکی تھی۔

آیت ۱۵۲ ﴿وَ لَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ ۚ﴾ ’’اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔‘‘

غزوۂ اُحد میں جو عارضی شکست ہو گئی تھی اور مسلمانوں کو زک پہنچی تھی‘ جس سے ان کے دل زخمی تھے اس کے ضمن میں اب یہ آیت ایک قولِ فیصل کے انداز میں آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے‘ اللہ نے تم سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا تھا جبکہ تم انہیں اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے‘ گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔

تمہیں فتح حاصل ہوگئی تھی اور ہمارا وعدہ پورا ہو چکا تھا۔

﴿حَتّٰی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا''

فَشِلۡتُمۡ کا ترجمہ بعض مترجمین نے کچھ اور بھی کیا ہے‘ لیکن میرے نزدیک یہاں نظم (ڈسپلن) کو ڈھیلا کرنا مراد ہے۔ اسلامی نظم جماعت میں سمع و طاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے‘ اور ظاہر ہے کہ سمع و طاعت میں ایک ہی شخص کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی۔ رسول اللہﷺ کی اطاعت بھی فرض تھی اور آپﷺ اگر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اس کی اطاعت بھی فرض تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ اَطَاعَنِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ‘ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰہَ ‘ وَمَنۡ اَطَاعَ اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ‘ وَمَنۡ عَصٰی اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ عَصَانِیۡ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی‘ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی‘ اور جس نے میرے نامزد کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

اگرچہ رسول اللہﷺ کے حکم کی تو انہوں نے تاویل کر لی تھی کہ حضورﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا‘ تو یہ شکست کی صورت میں تھا‘ لیکن اب تو فتح ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جان بوجھ کر اللہ کے رسولﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے مقامی امیر (لوکل کمانڈر) کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ میرے نزدیک یہاں ''عَصَیۡتُمۡ'' سے یہی حکم عدولی مراد ہے۔ اسلامی نظم جماعت میں اوپر سے لے کر نیچے تک‘ سپہ سالار سے لے کر لوکل کمانڈر تک‘ درجہ بدرجہ نظامِ سمع و طاعت کی پابندی ضروری ہے۔ فوج کا ایک سپہ سالار ہے‘ لیکن پھر پوری فوج کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ایک امیر ہوتا ہے۔ میسرہ‘ میمنہ‘ قلب اور ہراول دستہ وغیرہ‘ ہر ایک کا ایک کمانڈر رہوتا ہے۔ اب اگر ان کمانڈروں

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الاحکام‘ باب قول اللّٰہ تعالٰی : واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ......

کے احکام سے سرتابی ہوگی تو ایسی فوج کا جو انجام ہوگا وہ معلوم ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کے اندر درجہ بدرجہ جو بھی نظامِ سمع وطاعت ہے اُس کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔

﴿وَعَصَیۡتُم مِّنۡۢ بَعۡدِ مَآ اَرٰٮكُم مَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ ''اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔''

﴿عَصَیۡتُمۡ﴾ کے بارے میں وضاحت ہو چکی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں' بلکہ لوکل کمانڈر کی نافرمانی ہے۔ ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَآ اَرٰٮكُم مَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ سے اکثر مفسرین نے مالِ غنیمت مراد لیا ہے' کہ درّے پر مامور حضرات مالِ غنیمت کی طلب میں درّہ چھوڑ کر چلے گئے' لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون تو غزوۂ بدر کے بعد سورۃ الانفال میں نازل ہو چکا تھا۔ اس کی رو سے چاہے کوئی شخص کچھ جمع کرے یا نہ کرے اسے مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ ملے گا۔ یہاں ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَآ اَرٰٮكُم مَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ سے مراد دراصل ''فتح'' ہے اور اس کے لیے ''القرآن یفسّر بعضہ بعضًا'' کی رُو سے سورۃ الصّف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ۖ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ﴾ (آیت ۱۳) گویا بندۂ مؤمن کو دنیا میں فتح ونصرت محبوب تو ہوتی ہے' لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا۔ اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

﴿مِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا﴾ ''تم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں''

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا میں فتح ونصرت اور کامیابی حاصل ہو جائے' ہمارا بول بالا ہو جائے' ہماری حکومت قائم ہو جائے۔

﴿وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ﴾ ''اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں''۔

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِیَبۡتَلِیَكُمۡ ۚ﴾ ''پھر اللہ نے تمہارا رُخ پھیر دیا اُن کی طرف سے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔''

پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے' اب معاملہ الٹا ہو گیا کہ تم پسپا

ہو گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تمہاری یہ پسپائی تمہارے لیے آزمائش تھی۔

﴿وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ ۗ﴾ ''اور اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔''

تم میں سے جس کسی سے جو بھی خطا ہوئی اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۱۵۲﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل والا ہے۔''

آیت ۱۵۳ ﴿اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ﴾ ''یاد کرو، جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے (جان بچانے کے لیے) اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے''

﴿وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ﴾ ''اور رسول (ﷺ) تمہیں پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے''

غزوۂ اُحد میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا تھا اور انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھال بنا کر آنحضور ﷺ کی حفاظت کی۔ بہت سے لوگ سراسیمہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض کوہِ اُحد پر چڑھے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے۔

﴿فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ تم پر غم کے بعد غم مسلسل ڈالتا رہا''

﴿لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ﴾ ''تاکہ (آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ) تم غمگین نہ ہوا کرو اُس پر کہ جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر کہ جو تم پر آ پڑے۔''

یعنی ع ''رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج!'' آدمی کو اگر کبھی اتفاقاً ہی رنج و غم کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن جب پے در پے رنج و غم اٹھانے پڑیں تو ان کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دامن اُحد میں مسلمانوں کو پے در پے تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ سب سے بڑا رنج جو پیش آیا وہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر تھی، جس پر کسی کو

اپنے تن بدن کا تو ہوش ہی نہیں رہا کہ خود اس کو کیا زخم لگا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی کیفیت میں ایک تخفیف پیدا کر دی۔

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵۳﴾﴾ ''اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کر رہے تھے۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً﴾ ''پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اطمینان نازل فرمایا''

﴿نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ ''یعنی نیند جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہوگئی''

انسان کو نیند جو آتی ہے یہ اطمینانِ قلب کا مظہر ہوتی ہے کہ جیسے اب اُس نے سب کچھ بھلا دیا۔ عین حالت جنگ میں ایسی کیفیت اللہ کی رحمت کا مظہر تھی۔

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی''

﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''وہ اللہ کے بارے میں ناحق جہالت والے گمان کر رہے تھے۔''

عبد اللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھی تو میدانِ جنگ کے راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی جماعت میں کچھ منافقین باقی رہ گئے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ اُس وقت انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ایسی کیفیت میں انہیں اونگھ کیسے آتی؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کے دلوں میں وسوسے آ رہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ وعدہ پورا نہیں ہوا، اللہ کی بات سچی ثابت نہیں ہوئی۔ اس طرح ان کے دل و دماغ میں خلافِ حقیقت زمانۂ جاہلیت کے گمان پیدا ہو رہے تھے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ﴾ ''وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی اختیار میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟''

یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے جنگ سے قبل مشورہ دیا تھا (جیسے حضور ﷺ کی اپنی رائے بھی تھی) کہ مدینے کے اندر محصور رہ کر جنگ کی جائے۔ جب ان کے مشورے پر عمل نہیں ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان معاملات میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے یا ساری بات محمد (ﷺ) ہی کی چلے گی؟ یہ بھی جماعتی زندگی کی ایک خرابی ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات بھی مانی جائے،

میری رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ آخر ہم سب اپنے امیر ہی کی رائے کیوں مانتے چلے جائیں؟ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں؟

﴿قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔''

﴿یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ﴾ ''(اے نبیؐ) یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔''

ان کے دل میں کیا ہے' اب اللہ کھول کر بتا رہا ہے۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا﴾ ''یہ (اپنے دل میں) کہتے ہیں کہ اگر اختیار میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''

اگر ہماری رائے مانی جاتی' ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہمارے اتنے لوگ یہاں پر شہید نہ ہوتے۔

﴿قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ﴾ ''ان سے کہیے اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں ہوتے''

﴿لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ﴾ ''تب بھی جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر تھا وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔''

اللہ کی مشیت میں جن کے لیے طے تھا کہ انہیں شہادت کی خلعت فاخرہ پہنائی جائے گی وہ خود بخود اپنے گھروں سے نکل آتے اور کشاں کشاں ان جگہوں پر پہنچ جاتے جہاں انہوں نے خلعت شہادت زیب تن کرنی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں' تمہاری تدبیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ﴾ ''اور یہ (معاملہ جو پیش آیا) اس لیے تھا کہ اللہ اسے آزما لے جو کچھ تمہارے سینوں میں تھا''

﴿وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ﴾ ''اور تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔''

آیت ۱۵۵ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ﴾ ’’تم میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے چلے گئے اُس دن جب دو گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے‘‘

یہ ایسے مخلص حضرات کا تذکرہ ہے جو اچانک حملے کے بعد جنگ کی شدت سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے وقتی طور پر پیٹھ پھیر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تھے اور کچھ اس سے ذرا آگے بڑھ کر میدان ہی سے باہر چلے گئے تھے۔ ان میں بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی آتا ہے۔ دراصل یہ بھگدڑ مچ جانے کے بعد ایسی اضطراری کیفیت تھی کہ اُس میں کسی سے بھی کسی ضعف اور کمزوری کا اظہار ہو جانا بالکل قرین قیاس بات ہے۔

﴿اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ﴾ ’’اصل میں شیطان نے ان کے پاؤں پھسلا دیے تھے ان کے بعض افعال کی وجہ سے۔‘‘

کسی وقت کوئی تقصیر ہو گئی ہو‘ کوئی کوتاہی ہو گئی ہو‘ یا کسی کمزوری کا اظہار ہو گیا ہو‘ یہ مخلص مسلمانوں سے بھی بعید نہیں۔ ایسا معاملہ ہر ایک سے پیش آ سکتا ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ کسی وقت وہ اڑنگا لگا کر اُس شخص کو پھسلا دے‘ خواہ وہ کتنا ہی نیک اور کتنا ہی صاحبِ رُتبہ ہو۔

﴿وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ﴾ ’’اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔‘‘

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض گمراہ فرقے اس بات کو بہت اچھالتے ہیں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں‘ ان پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا اعلان کر چکا ہے۔ اس کے بعد اب کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بردبار ہے۔‘‘

❁ ❁ ❁

لڑکی کو کوڑے لگنے کی مزعومہ ویڈیو —— اور

اسلام کا فلسفۂ جرم و سزا

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۱۰/اپریل ۲۰۰۹ء کا خطابِ جمعہ

بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن' لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾﴾ (النور)

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَہُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۳۸﴾﴾ (المائدۃ)

پاکستان کے معروضی حالات اور اس کے مستقبل کے بارے میں امید و بیم کی جو پے در پے لہریں آئی ہیں ان کا میں مفصل ذکر کر چکا ہوں۔ حالات اس قدر کربناک ہیں کہ اگر ایک قدم خیر کی طرف اٹھتا ہے تو دو قدم شر کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ میں نے اپنے گزشتہ خطابات میں عرض کیا تھا کہ میری مایوسی کی تین حقیقی اساسات ہیں:

(۱) پاکستان ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا تھا کہ احیائے اسلام کے لیے

دنیا میں ایک مثالی ریاست قائم کر کے دنیا پر حجت قائم کر دی جائے کہ دنیوی اور اُخروی فلاح اگر کسی دین اور نظام میں مضمر ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ لیکن ہم نے اس نظریے سے کلی طور پر صرف انحراف ہی نہیں کیا‘ بلکہ اسے اپنے پاؤں تلے روندا ہے۔ نتیجتاً بقائے پاکستان کا جواز ختم ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے ہم سخت اخلاقی انحطاط کا شکار ہیں۔ آج دنیا کی نظر میں جھوٹ‘ وعدہ خلافی‘ خیانت اور فریب ہمارے معاشرے کی علامت بن چکے ہیں جس کی بدولت اقوام عالم کا ہم سے اعتماد اٹھ گیا ہے اور ہم مالیاتی بحران کی زد میں ہیں۔ اسلام نے ایسے طرزِ عمل کو منافقت قرار دیا ہے۔ حدیث نبویؐ میں جھوٹ‘ وعدہ خلافی اور خیانت کو منافق کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے‘ جو آج ہمارے معاشرے کی پیشانی پر درج ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ تھی کہ ہم سیاسی طور پر بھی نابالغ ثابت ہوئے ہیں اور اپنے معاملات خود حل کرنے کے قابل نہیں رہے۔ البتہ اس ضمن میں حالات اب کچھ بہتر ہوئے ہیں۔ خصوصاً ۹ مارچ ۲۰۰۷ء سے لے کر ۱۶ مارچ ۲۰۰۹ء کے دوران ہونے والی کاوشوں سے دو پارٹی سسٹم تقریباً وجود میں آ چکا ہے‘ پارٹی کاڈرز (cadres) معین ہو چکے ہیں‘ اور جماعتی وابستگیاں مضبوط ہو چکی ہیں۔ اس طرح جہاں قوم نے سیاسی بلوغت کا اظہار کیا ہے وہاں اس دوران چلنے والی تحریک کا بہت بڑا کارنامہ عدلیہ کی آزادی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ عالمی‘ بین الاقوامی اور علاقائی قوتوں کی چالیں‘ سازشیں‘ منصوبہ بندیاں اور ان کے تمام ایجنڈے پاکستان مخالف ہیں‘ جنہیں وہ ہر حالت میں پورا کرنے پر تلے ہوئے ہیں‘ لیکن ہمارے پاس اس ضمن میں کوئی واضح لائحہ عمل نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ درمیانی معاملے یعنی سیاسی بلوغت کے اعتبار سے کچھ بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے‘ لیکن ابھی پہلے اور تیسرے معاملے میں کسی خیر کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ہفتہ رُفتہ کے دوران ان دونوں اعتبارات سے حالات بہت خراب ہوئے ہیں۔ ان حالات میں کہ جن میں ہم پہلے ہی اللہ کے ہاں بہت بڑے مجرم قرار پا چکے ہیں‘ اس ملک میں شریعت کا جس طرح تمسخر اور مذاق اڑایا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک

مجہول الحال اور مجہول النسب ویڈیو نشر ہوئی‘ کچھ پتا نہیں کہ وہ کب بنائی گئی‘ کس نے بنائی۔ اگر کوئی سزا دی گئی تو کس نے دی‘ کس کے حکم سے دی‘ کس عدالتی نظام کے تحت دی۔ اور اس کی واقعاتی حقیقت یہ ہے کہ مالاکنڈ ڈویژن کے کمشنر نے قسم اٹھا کر کہا ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں ہے اور میجر جنرل (ر) ظہیر الاسلام عباسی نے بھی کمشنر کی بات کی تصدیق کی ہے۔ جس لڑکی کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے حکومتی نمائندے اس کے پاس گئے تو اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اس واقعہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے‘ ہم تو ایک پرسکون شادی شدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ البتہ اس نے عدالت میں پیش ہونے سے انکار کر دیا ہے اور اس کی جگہ اس کا خاوند پیشی کے لیے آمادہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ویڈیو کیسے بنی اور کس نے بنائی؟ تو اس بارے میں عرض ہے کہ مغربی ایجنسیاں اس طرح کی جھوٹی ویڈیوز بنانے میں اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں بہت ماہر ہیں۔ اس بارے میں جناب عرفان صدیقی نے ۹/اپریل کے روزنامہ جنگ میں اپنے کالم میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے‘ ملاحظہ ہو:

> ’’یہ تین چار برس پہلے کی بات ہے کہ پاکستانی ایجنسیز کو خبر ملی کہ بلوچستان کے پہاڑوں میں ایک فلم کی عکس بندی ہو رہی ہے اور فلم بنانے والے کسی یورپی ملک کے گورے گوریاں ہیں۔ اہلکاروں نے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ طالبان کے ظلم و ستم پر مبنی ایک فلم تیار کی جا رہی ہے اس کے لیے مقامی باشندوں کو بطور اداکار بھرتی کیا گیا ہے اور انہیں ڈالروں میں ادائیگی کی جا رہی ہے‘ ایک مقامی این جی او بھی معاونین میں شامل تھی۔ مغرب اس طرح کی فریب کاریوں کے فن کا ماہر ہے اور سوات کی ویڈیو کے بارے میں مالاکنڈ کے کمشنر نے اللہ کی قسم کھا کر گواہی دی ہے کہ ویڈیو جعلی ہے۔ تحریک طالبان سوات کے ترجمان حاجی مسلم خان نے بھی ویڈیو کو جعلی اور امن معاہدے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش قرار دیا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایک مختصر سا تصویری خبرنامہ قیامت ڈھا گیا اور ابھی تک یہ یقین بھی نہیں ہو سکا کہ واقعہ جعلی ہے یا اصلی؟‘‘

یہ اس واقعہ کی حقیقت ہے‘ اور اس بارے میں مغرب اور مغرب زدہ طبقہ کی قلعی

چند دنوں میں بالکل سو فیصد کھل کر سامنے آ جائے گی‘ کیونکہ سپریم کورٹ نے بذاتِ خود اس کی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔ میں اس واقعہ کے بارے میں اس سے زیادہ بات نہیں کروں گا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس واقعہ کو آڑ بنا کر ہمارے میڈیا اور ہمارے نام نہاد دانشوروں اور تجزیہ کاروں نے دریدہ ذہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس طریقے سے شریعت الٰہی کا استہزاء اور تمسخر اڑایا ہے اور احکامِ الٰہی کو ذروں کی طرح ہواؤں میں بکھیرا ہے یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے اور کفر کرنے کے مترادف ہے۔ آیاتِ الٰہی کا انکار یقیناً کفر ہے۔ اور پھر اس کا عالمی سطح پر اس قدر چرچا کرنا تاکہ اسلام دنیا میں بدنام ہو‘ یہ ان لوگوں کے کس عقیدے کی چغلی کھاتا ہے؟ اور پھر اس پر جو ردّعمل سامنے آیا ہے اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ کراچی میں اس کے خلاف کتنا بڑا جلوس نکالا گیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو اس سے پہلے عورتوں پر ہونے والا کوئی ظلم نظر نہیں آیا؟ نصیر آباد بلوچستان میں پانچ عورتوں کو زندہ دفن کر دیا گیا‘ سندھ میں ایک عورت کو کتوں کے آگے ڈال دیا گیا‘ قوم کی بیٹی عافیہ صدیقی پر کس قدر ظلم ڈھائے گئے‘ جامعہ حفصہ کی ۱۷۰۰ بچیوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ان تمام واقعات پر ایم کیو ایم اور این جی اوز کو سانپ سونگھ گیا‘ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا گیا‘ کوئی جلوس نہیں نکالا گیا۔ ذرا سوچیے کہ کس کے اشارے پر کون سے لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ع کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں!

ایک وکیل صاحب نے بتایا کہ پاکستانی جیلوں میں عورتوں پر اس قدر ظلم اور تشدد ہوتا ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا‘ حتیٰ کہ بعض دفعہ عورتوں کو برہنہ کر کے ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔ اس پر تو کوئی بولنے والا نہیں اور مزعومہ طور پر ایک شرعی سزا کے مسئلہ پر گز گز لمبی زبانیں باہر نکل آتی ہیں۔ کیا اللہ کی آیات ہی مذاق اڑانے کے لیے بچی ہیں؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا﴾ (البقرۃ: ۲۳۱) ’’اللہ کی آیات کا استہزاء نہ اڑاؤ‘‘۔ یہ بہت بڑی جسارت‘ بہت بڑی جرأت اور گستاخی ہے۔

اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ طبقہ اسلامی سزاؤں پر اس قدر

واویلا کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ جرائم کی سزاؤں کے بارے میں اسلام کا فلسفہ کچھ اور ہے جبکہ مغرب کا جدید فلسفہ کچھ اور ہے۔ اسلامی قوانین کا سب سے بنیادی ماخذ قرآن ہے۔ جو کوئی قرآن کو اللہ کا کلام اور محفوظ مانتا ہے وہ اس کے قوانین کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے' اور جس کا اس پر ایمان نہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہ آخری شریعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیﷺ پر نازل فرمائی۔ مغربی فلسفے کی رو سے مجرم ہمدردی کے لائق ہے' اور یہ بے بنیاد خیال نہیں ہے۔ اس لیے کہ باطل محض کبھی بھی اپنی بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس میں حق کا کوئی حصہ شامل نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آکاس بیل کی کوئی جڑ نہیں ہوتی' وہ درختوں پر چڑھ جاتی ہے' اور جس درخت پر وہ چڑھ جائے اُسے چوس لیتی ہے اور اس کی نشوونما ختم کر دیتی ہے۔ چنانچہ مغرب کا فلسفہ باطل ہے' لیکن سو فیصد باطل نہیں ہے' اس میں کچھ نہ کچھ حق شامل ہے۔ وہ فلسفہ یہ ہے کہ مجرم اصل میں ذہنی اور نفسیاتی مریض ہوتا ہے' لہٰذا ہمدردی کے قابل ہوتا ہے' اس کے خلاف نفرت نہیں ہونی چاہیے اور پھر اس کی اصلاح اور علاج کی کوشش ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پورے مغرب میں سزائے موت (capital punishment) کے خلاف اتفاق ہے کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے' لہٰذا کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا' خواہ اس نے کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ کیا ہو۔ چنانچہ وہ اپنی جیلوں کو ''دارالاصلاح'' (correction house) کا نام دیتے ہیں کہ یہاں لوگوں کی اصلاح کا پورا بندوبست ہے۔ لیکن اس نظریے کے نتیجے میں جرائم تو ختم نہیں ہوئے۔ آپ کو علم ہے کہ امریکہ میں جنسی آزادی کے باوجود ہر گھنٹے میں بیسیوں عورتوں کی جبری آبروریزی کی جاتی ہے۔ حالانکہ وہاں معیارِ تعلیم بہت بلند ہے' ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے لوگوں کی ذہنی تربیت کا بہت بڑا انتظام ہے' لیکن جرم پھر بھی برابر ہو رہے ہیں۔ بلکہ امریکہ میں جرائم کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ مغربی فلسفہ کی بات اس حد تک ٹھیک ہے کہ مجرم سے ہمدردی ہونی چاہیے' نفرت مجرم سے نہیں اس کے جرم سے ہو۔

جرائم کے بارے میں اسلامی فلسفے کے دو بنیادی اصول ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے:

((اِدْرَءُ وا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ))[1] کہ مسلمانوں سے حدود کو دور رکھو۔ مثلاً جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجیے تو پہلے آپؐ نے اُس سے اعراض فرمایا۔ پھر اس کے اصرار پر آپؐ نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہا ہے؟ دیکھو یہ نشے میں تو نہیں ہے؟ صحابہؓ نے سونگھ کر بتایا کہ نہیں‘ شراب نہیں پی رکھی۔ پھر فرمایا: کہیں تم نے صرف بوس و کنار نہ کیا ہو؟ آخری حد تک نہیں پہنچے ہو گے! تو اس نے کہا: نہیں‘ اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ پوری تفتیش کے بعد جب وہ اس پر ڈٹ گئے تو پھر آپؐ نے حکم دیا جاؤ اسے رجم کرو۔ اسی طرح کا معاملہ غامدیہ خاتون کا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ حضورؐ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے‘ مجھے پاک کر دیجیے۔ آپؐ نے کہا: تمہیں حمل تو نہیں رہ گیا؟ اس نے کہا: جی ہاں حمل ٹھہر گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس ننھی جان کا کیا قصور ہے جو تمہارے اندر پرورش پا رہی ہے؟ اس کی ولادت کے بعد آنا! بچے کی ولادت کے بعد وہ پھر حاضر خدمت ہوئی کہ اب مجھے پاک کر دیجیے ۔فرمایا کہ ابھی تو اس کی زندگی کا سارا دار و مدار تم پر ہے‘ جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ۔ کچھ عرصے بعد وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضورؐ دیکھئے‘ یہ اس قابل ہو گیا ہے۔ تب آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔

ان دو واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جرم کی تحقیق و تفتیش اس انداز سے ہونی چاہیے کہ امکانی حد تک سزا کی نوبت نہ آئے۔ پھر دیکھئے‘ عدلیہ کو یہ اصول بھی آپ ﷺ نے ہی دیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو ملے گا۔ آج کا یہ عدالتی اصول بھی اسلام کا عطا کردہ ہے کہ چاہے سو مجرم چھوٹ جائیں‘ لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہ ہونے پائے۔

لیکن اسلامی فلسفے کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو پھر ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں اور آئندہ کے لیے کوئی جرم کرنے کی جرأت نہ کرے۔ مجرم سے کوئی دشمنی نہیں‘ جرم سے دشمنی ہے اور رسول

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب الحدود‘ باب ما جاء فی درء الحدود۔

اللہ ﷺ نے' باوجود اس کے کہ آپ رؤف و رحیم تھے' خود یہ سزائیں دی ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود اللہ ربّ العزت ان حدود کے نفاذ کا حکم دے رہے ہیں اور نبی مکرم ﷺ ان کا اجراء کر رہے ہیں' تو اللہ اور رسولؐ سے زیادہ کون انسانوں پر مہربان اور شفیق ہو سکتا ہے؟

قرآن کریم میں زنا کی سزا کا حکم دیا گیا تو پہلے پورے اہتمام سے ایک مقدمہ باندھا گیا اور پھر حکم دیا گیا۔ سورۃ النور کا آغاز ہوتا ہے:

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ ''دیکھو یہ سورت ہم نے خود نازل کی ہے اور اس میں موجود احکام کو ہم نے فرض قرار دیا ہے'' ﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ①﴾ ''اور اس میں جو آیات ہم نے نازل کی ہیں' وہ خوب روشن اور واضح ہیں' ان میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں ہے' ان کا مقصد یہ ہے کہ تم ان سے نصیحت اور سبق حاصل کرو''۔

یہ تمہید کس قدر متہم بالشان انداز میں باندھی گئی ہے تاکہ سامعین اور مخاطبین آگے آنے والے احکامات کو ہلکا نہ جانیں بلکہ انہیں اللہ ربّ العزت کی طرف سے حتمی اور لازمی احکام خیال کریں۔ اس کے فوراً بعد فرمایا:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ''۔

یہاں ایک بات پیش نظر رہے کہ یہ سزا سنت رسول کے مطابق غیر شادی شدہ زانی کے لیے ہے۔ قرآن میں اگرچہ یہ حکم عام ہے لیکن سنت نے اسے خاص کر دیا ہے اور سنت کو یہ حق حاصل ہے۔ رسول ﷺ کو یہ اختیار اللہ نے دیا ہے کہ وہ قرآن کے کسی عام حکم کو خاص کر دیں یا خاص کو عام کر دیں۔ لیکن قرآن کے کسی حکم کو سنت بدل نہیں سکتی۔ جس طرح قرآن کا حکم ہے کہ نکاح میں دو بہنوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کیا جا سکتا تو سنت نے اس حکم کو مزید عام کر دیا کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو بھی بیک وقت جمع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آنحضور ﷺ کا اضافہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ بھی شارع ہے اور اللہ کا رسول

بھی شارع ہے۔ چنانچہ کوڑوں کی سزا کا حکم غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے مخصوص ہے‘ جبکہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کیا جائے گا۔ یہ حکم سنت سے ثابت ہے۔ اُممِ سابقہ کے لیے بھی یہی حکم تھا اور آپﷺ نے اسے برقرار رکھا ہے‘ اور اس پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ شیعہ‘ سنی‘ اہل حدیث‘ حنفی‘ مالکی‘ شافعی‘ حنبلی‘ زیدی‘ جعفری تمام کے ہاں شادی شدہ زانی کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہیں۔ اس کا صرف منکرین حدیث انکار کرتے ہیں‘ جو اس دور میں نیا فتنہ اٹھا ہے۔

اس حکم کے بعد فرمایا: ﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ’’دیکھو! اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو ان دونوں کے لیے تمہارے دل میں کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہونی چاہیے‘‘۔ ان کے لیے گوشۂ نرمی نہ ہو بلکہ اپنے دلوں کو کڑا کر لو‘ چاہے طبیعت اس کے لیے آمادہ نہ ہو رہی ہو۔

اور پھر فرمایا: ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾﴾ ’’اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مؤمنوں کی ایک جماعت حاضر ہو‘‘۔ وہ دیکھے اور عبرت حاصل کرے۔ دورِ نبویؐ میں غامدیہ خاتون کو رجم خود صحابہؓ نے ہی کیا تھا اور کھلے میدان میں کیا تھا۔ ایک صحابی نے اس خاتون کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیے تو آپﷺ نے اسے سرزنش کی تھی اور فرمایا تھا کہ اس نے اس قدر اعلیٰ توبہ کی ہے کہ اس کی توبہ پورے مدینے والوں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کی مغفرت کے لیے کافی ہو جائے گی۔ برسرِ عام سزا اسلام کے فلسفہ کا حصہ ہے تاکہ لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور آئندہ کے لیے جرم کا مکمل استیصال ہو جائے۔ چنانچہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم قرآن حکیم میں ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (المائدة:٣٨)

’’چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت‘ دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو‘ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوتوں کا اور عبرت کا سامان ہے اللہ کی طرف سے۔‘‘

اسلامی سزاؤں میں عبرت کا پہلو بہت نمایاں ہے اور اس سے جرائم کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دُنیا کے جن معاشروں میں اسلامی نظامِ عدل رائج ہے یا کچھ عرصہ کے لیے رائج ہوا تھا وہاں سے جرم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ سعودی عرب کی مثال بالکل واضح ہے کہ کچھ عرصہ پہلے وہ کرائم فری سوسائٹی تھی۔ اب چونکہ وہاں دنیا کے مختلف ممالک سے بہت سے لوگ وہاں پہنچ گئے ہیں، جن میں غیر مسلم بھی ہیں، لہٰذا وہاں کچھ جرائم ہونے لگے ہیں۔ یہی کام کچھ عرصہ کے لیے طالبان نے افغانستان میں بھی کیا تھا، جس کے نتیجے میں جرائم سے بھرپور معاشرہ امن کا گہوارہ بن گیا تھا۔ تو یہ اسلامی نظامِ عدل کی برکات ہیں۔

اب وہ حضرات جن کے دلوں میں مجرموں کے بارے میں بڑی ہمدردی پائی جاتی ہے اس مسئلہ کو ایک عقلی مثال سے سمجھیں۔ ایک مرض ہے گینگرین (gangrene) یہ جسم کے جس حصہ کو لگ جائے اس پورے حصے کو کاٹ دیا جاتا ہے، مثلاً اگر ہاتھ کو لگ جائے تو پورا بازو کاٹ دیا جاتا ہے، اسی طرح پاؤں کو لگ جائے تو بعض دفعہ پوری ٹانگ کاٹنی پڑتی ہے۔ یہ کس لیے کیا جاتا ہے؟ تاکہ اس کا زہر باقی جسم میں نہ پھیلے اور کم از کم ایک عضو کی قربانی دے کر پورے جسم کو بچا لیا جائے۔ یہ اس مریض سے دشمنی نہیں بلکہ اس کی جان کی خیر خواہی ہے۔ اسی طرح اُمت، قوم اور اسلامی معاشرہ ایک جسد کی مانند ہے، اس کا ایک عضو سڑ گیا ہے تو اب پوری قوم کی بقا کے لیے اس ایک عضو کی قربانی دینی ہو گی۔ اسلامی سزاؤں میں یہی فلسفہ کارفرما ہے، جسے لوگ سمجھتے نہیں اور مغرب کے فکر و فلسفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے سر بازار نکل کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ مغرب حقیقت میں اسلام کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہے۔ اسے تو صرف یہ خطرہ کھائے جا رہا ہے کہ ع ''ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!'' ان کے نزدیک یہ برائی ہے اور اسے سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دینا چاہیے (Nip the evil in the bud)۔

افغانستان میں طالبان کا قصور کیا تھا جس کی انہیں اتنی بڑی سزا دی گئی؟ اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی اقدام افغانستان کی سرحدوں سے باہر کیا ہو۔ امریکہ

نے ۹/۱۱ کے حملوں کا الزام بھی اسامہ اور القاعدہ پر لگایا تھا۔ اس پر طالبان نے کہا تھا کہ اگر آپ کے پاس ثبوت ہیں تو آپ ہمیں دیں، ہم مجرموں کو قرار واقعی سزا دیں گے۔ اُسامہ ہمارا مہمان ہے، اسے ہم آپ کے حوالے نہیں کریں گے، البتہ کسی تیسرے ملک کے حوالے کرنے کو تیار ہیں جہاں عدل اور انصاف کے ساتھ مقدمہ چلنے کا امکان ہو۔ لیکن امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایک نہیں سنی اور آتش و آہن اور بارود کی بارش کر کے پورے افغانستان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس لیے کہ اصل مسئلہ اسامہ نہیں افغانستان کا اسلامی نظامِ عدل تھا۔ ابلیس اور اس کی صلبی و معنوی ذریت کو اگر دنیا کے کسی نظام سے خطرہ ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے، کیونکہ باقی سارے نظام خواہ وہ جمہوریت ہو یا اشتراکیت ابلیس کے اپنے مرتب کردہ ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی شہرۂ آفاق نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی، جو اُن کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔ اس نظم میں ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے: ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

پہلے حاکمیت اعلیٰ کا دعوے دار ایک شخص ہوا کرتا تھا، اب ہم نے اسے عوام میں بانٹ دیا ہے۔ انسانی حاکمیت بھی اتنا ہی بڑا کفر ہے جتنا بڑا کفر شخصی حاکمیت ہے۔ ان تمام نظاموں سے اُسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے: ؎

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو!

اسی ''شرارِ آرزو'' کو دنیا نے انتہا پسندی اور شدت پسندی کے نام دے رکھے ہیں، لہٰذا مغرب اسلام کے خاتمہ پر پوری طرح تلا ہوا ہے۔

جہاں تک اس مزعومہ ویڈیو کا تعلق ہے اس کے بنانے اور اچھالنے میں سارے کا سارا کردار مغربی این جی اوز اور ان نام نہاد دانشوروں کا ہے جو مغرب کے ہم نوا ہیں۔ پرویز مشرف کے دور میں ایسے آزاد خیال دانشوروں کی بہت پذیرائی کی گئی تھی

اور انہیں الیکٹرانک میڈیا پر آنے کے بھرپور مواقع فراہم کیے گئے تھے۔ پرویز مشرف کے اقدامات رینڈ (RAND) کارپوریشن کی سفارشات کے مطابق تھے۔ ان سفارشات میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں میں چار طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں: (۱) روایت پسند (Traditionalists)' جو مدارس میں قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں' یہ ہمارے لیے بالکل خطرناک نہیں ہیں۔ (۲) بنیاد پرست (Fundamentalists)' وہ مسلمان جو اسلام کے نظام کو قائم کرنا چاہتے ہیں' یہ ہمارے سخت دشمن ہیں' اور اگر روایت پسند ان کے قریب آ گئے تو وہ بھی بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے' لہٰذا انہیں ایک دوسرے سے دور رکھو' ان کے آپس کے اختلافات کو ہوا دو' انہیں آپس میں لڑاؤ تاکہ ان کی یہ دوریاں بڑھتی رہیں۔ (۳) جدت پسند (Modernists) طبقہ جو اسلام میں جدید نظریات کی آمیزش کرنا چاہتا ہے۔ اور (۴) اباحیت پسند اور سیکولر ذہنیت کا حامل طبقہ جو ہماری تہذیب وثقافت کو رواج دینا چاہتا ہے۔ یہ دونوں طبقے ہمارے اپنے ہیں' ان کے نظریات کو زیادہ سے زیادہ ترویج دو تاکہ پورا معاشرہ ان کا ہمنوا بن جائے' لہٰذا انہیں الیکٹرانک میڈیا پر زیادہ سے زیادہ لاؤ' مسجد میں تو انہیں کوئی داخل نہیں ہونے دے گا' ان کے لیے ٹیلی ویژن بہت بڑا فورم ہے' لہٰذا انہیں مواقع فراہم کرو۔ یہ کام مشرف دور میں بہت زیادہ ہوا ہے۔ یہ سارے لوگ مغرب کے تنخواہ دار ملازم ہیں' انہیں اس معاملہ میں بھی میڈیا پر طوفان اٹھانے کو کہا گیا' لہٰذا انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ جان لیجیے کہ یہ محض lip of the iceberg ہے' اس کے نیچے مغرب کی پوری سازش موجود ہے کہ اسلام کو بدنام کیا جائے۔

میں پاکستان میں موجود مرکز گریز قوتوں (centrifugal forces) کا کئی بار تذکرہ کر چکا ہوں' جن میں بعض پوری پوری قوم پرست تحریکیں شامل ہیں' مثلاً بلوچستان میں بلوچ موومنٹ اور سندھ میں ایم کیو ایم۔ مؤخر الذکر نے ملک بھر میں اس واقعہ کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے اور کراچی میں بہت بڑا جلوس نکالا ہے۔ حالانکہ الطاف حسین! تجھے اپنی کراچی کی بیٹی عافیہ صدیقی نظر نہیں آتی جس پر کس قدر ظلم ڈھائے گئے اور ابھی

بھی ڈھائے جا رہے ہیں؟ اس پر تو کوئی جلوس نہیں نکلا، کوئی احتجاج نہیں ہوا، کسی قسم کا طوفان برپا نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے سارے لوگ مغرب کی ترجمانی کر رہے ہیں، انہی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور اسلام کو بدنام کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام عورتوں پر ظلم نہیں ڈھاتا بلکہ ان کے ناموس کی حفاظت کرتا ہے، انہیں چادر اور چار دیواری فراہم کرتا ہے۔ عورت کے لیے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تم گھر میں رہ کر گھر کی دیکھ بھال کرو، بچوں کی تربیت کرو، تمہیں چراغِ خانہ بننا ہے، شمع محفل نہیں۔ اور مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ کام کاج کرے، ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا بندوبست کرے۔ جبکہ مغرب میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں معاشی جدوجہد میں مرد کے ساتھ عورت بھی شریک ہے، جس کی وجہ سے ان کا پورا خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، کیونکہ ہر ایک خود کماتا ہے، کوئی دوسرے کا محتاج نہیں ہے، اس لیے کسی کی اطاعت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغرب کے کتنے بچے ہیں جنہیں حقیقی معنوں میں ماں کی شفقت اور محبت میسر آتی ہے؟ بچوں کی نگہداشت کے جتنے بھی اعلیٰ ادارے قائم کر لیے جائیں اور ان میں جس قدر بھی بہترین انتظام ہو، لیکن جو سکون و اطمینان ماں کی گود میں ہوتا ہے اور جو محبت ماں کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے وہ تو ان ''کیئر ہومز'' میں میسر نہیں ہے۔ مغرب کی بدبختی اور بدنصیبی کا یہ عالم ہے کہ وہاں اب one parent فیملیاں ہوتی ہیں، کسی کی ماں ہے تو باپ چھوڑ کے چلا گیا، باپ ہے تو ماں چھوڑ کر چلی گئی ہے، حتیٰ کہ اب تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ باقاعدہ شادی ہونا ہی تقریباً معدوم ہو چکا ہے۔ اسی لیے تو ابلیس اسلام کے معاشرتی نظام سے بھی خائف ہے:

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

مغرب کے نزدیک پہلے صرف وہ لوگ ''برائی کے محور'' تھے جو اسلام کو ایک مکمل نظام اور ضابطۂ حیات سمجھتے ہیں اور اس کے قیام کی جدوجہد کرتے ہیں، باقی اسلام بطور مذہب پر ان کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن اب یہ لوگ بہت آگے جا رہے ہیں اور اسلام،

قرآن اور پیغمبرؐ کو (نعوذ باللہ) برائی قرار دے رہے ہیں۔

دوسری طرف چونکہ امریکہ پاکستان کو دن بدن کمزور کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ سوات میں قیامِ امن کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے درپے ہے۔ وہاں اتنی زیادہ تباہی و بربادی کے بعد (جس میں لوگوں کو ذبح کیا گیا' سکول اڑائے گئے' بڑے بڑے سیاست دانوں پر حملے ہوئے) صوفی محمد صاحب (جو ایک عرصے تک نفاذِ شریعت کے لیے پرامن کوشش کرتے رہے ہیں اور اسی کی پاداش میں انہیں جیل میں ڈالا گیا تھا) کے ذریعے امن معاہدہ کیا گیا۔ سوات میں طالبان کی کمان انہی کا داماد مولوی فضل اللہ کر رہا تھا۔ لہٰذا طالبان ان کی امارت میں نظامِ عدل کے قیام کے لیے رضامند ہو گئے اور انہوں نے مسلح جدوجہد ترک کر دی اور سوات میں عمومی طور پر امن قائم ہو گیا' ہسپتال' سکول' مارکیٹیں سب کچھ کھل گیا اور زندگی معمول پر آ گئی۔ ادھر یہ معاہدہ ہوا تو اُدھر امریکہ کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا اور انہوں نے عالمی سطح پر اسے منفی انداز میں پیش کرنا شروع کر دیا' کہ حکومت پاکستان نے دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں' انتہا پسند غالب آ گئے ہیں' پاکستان آرمی ناکام ہو گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ادھر سے حکومتی سطح پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ اس معاہدے کو تسلیم نہ کیا جائے' لہٰذا زرداری صاحب نے سرحد حکومت کے بارہا کہنے کے باوجود کہ دستخط کر دیں ورنہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا' دستخط نہیں کیے' جس پر کل صوفی محمد صاحب نے اپنا امن کیمپ اٹھا لیا ہے اور اپنے گھر دیر چلے گئے ہیں کہ اب تم جانو اور طالبان جانیں![1]

امریکہ کی شدید خواہش ہے کہ سوات اور قبائلی علاقوں میں امن قائم نہ ہو' تاکہ پاکستان میں بدامنی مزید بڑھے اور ہمیں یہاں فوجیں اتارنے کا جواز فراہم ہو جائے۔ مزید برآں امریکہ کی طرف سے ایک نئی پالیسی آ چکی ہے اور وہ ڈٹ کر کہہ رہا ہے کہ ڈرون حملے بند نہیں ہوں گے' بلکہ بلوچستان میں بھی ہوں گے' البتہ ہم فوج داخل نہیں

(۱) واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۰/اپریل کا ہے۔ اس کے بعد یہ امن معاہدہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا' جہاں یہ بھاری اکثریت سے منظور ہوا اور پھر صدر صاحب نے اس پر دستخط کر دیے۔

کریں گے‘ کیونکہ ابھی پھوڑا پوری طرح پکا نہیں ہے‘ ابھی نشتر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی یہ بات بھی انتہائی اہم اور خطرناک ہے کہ افغانستان میں امن کا قیام بھارت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ یہ بھارت درمیان میں کہاں سے آ دھمکا ہے؟ معاملہ افغان پاکستان سرحد کا ہے اور اس کا حل بغیر بھارت کے ممکن نہیں؟ تو اس میں جو اصل راز پنہاں ہے وہ یہ کہ پاکستان کو ختم کر دیا جائے یا کم از کم نہ ہونے کے برابر کر دیا جائے اور اس کے ایٹمی دانت توڑ کر بھارت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ یاد رکھئے ان کی یہ پالیسی آج کی نہیں بہت پرانی ہے۔ بش کی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے جب پاکستان اور بھارت کا دورہ کیا تھا تو اس کے بعد امریکہ میں جا کر یہ بیان دیا تھا کہ ’’پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ ہم اور بھارت مل کر کریں گے‘‘ اور آج ہم اس کی کچھ نہ کچھ عملی شکل دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہے آج ہماری قومی اور ملکی صورتحال! میں جو کچھ دیکھتا ہوں آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ میں کوئی پروفیشنل خطیب تو ہوں نہیں کہ آپ کو جو باتیں اچھی لگیں وہ بتا دوں اور کڑوی باتوں کو چھوڑ دوں۔ اس کے باوجود آپ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور اپنی زندگیوں پر اسلام نافذ کرتے ہوئے پاکستان میں دین کے قیام کی جدوجہد کے لیے کھڑے نہیں ہوتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے ہم سب مجرم ہیں‘ کوئی بڑا مجرم ہے اور کوئی چھوٹا۔ جس طرح قرآن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے ذیل میں الفاظ آتے ہیں: ﴿وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۱﴾ (النور) حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تھی تو اس میں کئی لوگ شریک ہو گئے تھے‘ لیکن جو سب سے بڑا سازشی عبداللہ بن اُبی تھا اس کے لیے کہا گیا کہ اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ اسی طرح ہم میں بعض بڑے مجرم ہیں اور بعض چھوٹے۔ میں نے سارے موجودہ حالات تفصیلاً آپ کے سامنے عرض کر دیے ہیں۔ اب دعا کیجیے کہ حالات اپنا رخ بدلیں اور کوئی مثبت پیش رفت ہو۔ لیکن دعا کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آپ طے کریں: ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ’’میری نماز‘ میری قربانی اور میرا مرنا جینا صرف اللہ ربّ العالمین کے

لیے ہے''۔ جب تک ہمارا مرنا جینا اللہ کے لیے نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری دعائیں بے اثر رہیں گی۔ دوسرے یہ کہ شریعت کی مکمل پابندی کیجیے۔ اس کے ساتھ کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جائیں جو غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہو۔ اور میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ صرف تنظیم اسلامی ''منہج انقلابِ نبویؐ '' کے مطابق صحیح رُخ پر کام کر رہی ہے۔ اس میں شامل ہو کر اپنی مالی' جانی' ذہنی' فکری تمام صلاحیتوں کو صرف کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات oo

درود وسلام

سید ابوالاعلیٰ مودودی

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۵۶﴾﴾ (الاحزاب)

''اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں [۱]، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو [۲]۔''

(۱) اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ پر بے حد مہربان ہے، آپؐ کی تعریف فرماتا ہے، آپؐ کے کام میں برکت دیتا ہے، آپؐ کا نام بلند کرتا ہے، اور آپؐ پر اپنی رحمت کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپؐ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپؐ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپؐ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے، آپؐ کے دین کو سربلند کرے، آپؐ کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپؐ کو مقامِ محمود پر پہنچائے۔ سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ اس سلسلۂ بیان میں یہ بات کس لیے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا جب دشمنانِ اسلام اس دینِ مبین کے فروغ پر اپنے دل کی جلن نکالنے کے لیے حضور ﷺ کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کیچڑ اچھال کر وہ آپؐ کے اُس اخلاقی اثر کو ختم کر دیں گے جس کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کے قدم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتایا کہ کفار و مشرکین اور منافقین میرے نبی کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی جتنی چاہیں کوشش کر دیکھیں، آخر کار وہ منہ کی کھائیں گے۔ اس لیے کہ میں اُس پر مہربان ہوں اور ساری کائنات کا نظم و نسق جن فرشتوں کے ذریعہ سے چل رہا ہے وہ سب اُس کے حامی اور ثنا خوان ہیں۔ وہ اس کی مذمت کر کے کیا پا سکتے ہیں جبکہ میں اس کا نام بلند کر رہا ہوں اور میرے فرشتے اس کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اوچھے ہتھیاروں سے اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں

جبکہ میری رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور میرے فرشتے شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ ربّ العالمین، محمدﷺ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو اور زیادہ فروغ دے۔

(۲) دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو جن کو محمد رسول اللہﷺ کی بدولت راہِ راست نصیب ہوئی ہے، تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے احسانِ عظیم کا حق ادا کرو۔ تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، اس شخص نے تمہیں علم کی روشنی دی۔ تم اخلاق کی پستیوں میں گرے ہوئے تھے، اس شخص نے تمہیں اٹھایا اور اس قابل بنایا کہ آج محسودِ خلائق بنے ہوئے ہو۔ تم وحشت اور حیوانیت میں مبتلا تھے، اس شخص نے تم کو بہترین انسانی تہذیب سے آراستہ کیا۔ کفر کی دنیا اسی لیے اس شخص پر خار کھا رہی ہے کہ اس نے یہ احسانات تم پر کیے، ورنہ اس نے کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی برائی نہ کی تھی۔ اس لیے اب تمہاری احسان شناسی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جتنا بغض وہ اس خیر مجسمؐ کے خلاف رکھتے ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ محبت تم اس سے رکھو، جتنی وہ اس سے نفرت کرتے ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے گرویدہ ہو جاؤ، جتنی وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کی تعریف کرو، جتنے وہ اس کے بدخواہ ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے خیر خواہ بنو اور اس کے حق میں وہی دعا کرو جو اللہ کے فرشتے شب و روز اس کے لیے کر رہے ہیں کہ اے ربِّ دو جہاں! جس طرح تیرے نبیؐ نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں، تو بھی ان پر بے حد و حساب رحمت فرما، ان کا مرتبہ دنیا میں بھی سب سے زیادہ بلند کر اور آخرت میں انہیں تمام مقربین سے بڑھ کر تقرب عطا فرما۔

اس آیت میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک **صَلُّوْا عَلَيْهِ**، دوسرے **سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا**۔

صلوٰۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ ایک کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا۔ دوسرے کسی کی تعریف کرنا۔ تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے گا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاً ناقابل تصور ہے۔ اس لیے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا۔ لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان، تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا۔ اس میں محبت کا مفہوم بھی ہو

گا‘ مدح وثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی۔ لہٰذا اہل ایمان کو نبی ﷺ کے حق میں **صَلُّوۡا عَلَیۡهِ** کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ‘ ان کی مدح وثنا کرو‘ ان کے لیے دعا کرو۔

سَلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا‘ جس کے لیے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی ﷺ کے حق میں **سَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا** کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو‘ اُن کی مخالفت سے پرہیز کرو‘ اور ان کے سچے فرماں بردار بن کر رہو۔

یہ حکم جب نازل ہوا تو متعدد صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں **اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ** اور ملاقات کے وقت **اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ** کہنا) مگر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر جو درود سکھائے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيۡتَ عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَعَلٰى آلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَجِيۡدٌ وَبَارِكۡ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكۡتَ عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَعَلٰى آلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَجِيۡدٌ .**

یہ درود تھوڑے تھوڑے لفظی اختلافات کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری‘ مسلم‘ ابوداؤد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن ماجہ‘ امام احمد‘ ابن ابی شیبہ‘ عبدالرزاق‘ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ: ان سے بھی بہت خفیف فرق کے ساتھ وہی درود مروی ہے جو اوپر نقل ہوا ہے۔ (ابن جریر)

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزۡوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيۡتَ عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَبَارِكۡ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزۡوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكۡتَ عَلٰى آلِ اِبۡرَاهِيۡمَ اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَجِيۡدٌ .** (مالك‘ احمد‘ بخاری‘ مسلم‘ نسائی‘ ابو داؤد‘ ابن ماجه)

ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيۡتَ عَلٰى**

اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ

(مالک' مسلم' ابوداوٗد' ترمذی' نسائی' احمد' ابن جریر' ابن حبان' حاکم)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ (احمد' بخاری' نسائی' ابن ماجه)

بریدۃ الخزاعی رضی اللہ عنہ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ

(احمد' عبد بن حمید' ابن مردویه)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَآلِ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ (نسائی)

طلحہ رضی اللہ عنہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ (ابن جریر)

یہ تمام درود الفاظ کے اختلاف کے باوجود معنی میں متفق ہیں' ان کے اندر چند اہم نکات ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے:

اوّلاً : ان سب میں حضور ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے خدا! تو محمدؐ پر درود بھیج۔ نادان لوگ جنہیں معنی کا شعور نہیں ہے اس پر فوراً یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ یہ تو عجیب بات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو ہم سے فرما رہا ہے کہ تم میرے نبیؐ پر درود بھیجو' مگر ہم اُلٹا اللہ سے کہتے ہیں کہ تو درود بھیج۔ حالانکہ دراصل اس طرح نبی ﷺ نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ تم مجھ پر ''صلوٰۃ'' کا حق ادا کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ ہی سے دعا کرو کہ وہ مجھ پر ''صلوٰۃ'' فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ ہم حضور ﷺ کے مراتب بلند نہیں کر سکتے' اللہ ہی بلند کر سکتا ہے۔ ہم حضور ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے' اللہ ہی ان کا اجر دے سکتا ہے۔ ہم حضور ﷺ کے رفع ذکر کے لیے اور آپؐ

کے دین کو فروغ دینے کے لیے خواہ کتنی ہی کوشش کریں' اللہ کے فضل اور اس کی توفیق و تائید کے بغیر اُس میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی' حتیٰ کہ حضورﷺ کی محبت و عقیدت بھی ہمارے دل میں اللہ ہی کی مدد سے جاگزیں ہو سکتی ہے' ورنہ شیطان نہ معلوم کتنے وساوس دل میں ڈال کر ہمیں آپؐ سے منحرف کر سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلك! لہٰذا حضورﷺ پر صلوٰۃ کا حق ادا کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ سے آپؐ پر صلوٰۃ کی دعا کی جائے۔ جو شخص **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ** کہتا ہے وہ گویا اللہ کے حضور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ خدایا' تیرے نبیؐ پر صلوٰۃ کا جو حق ہے اسے ادا کرنا میرے بس میں نہیں ہے' تو ہی میری طرف سے اس کو ادا کر اور مجھ سے اس کے ادا کرنے میں جو خدمت چاہے لے لے۔

ثانیاً : حضورﷺ کی شان کرم نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ تنہا اپنی ذات کو اس دعا کے لیے مخصوص فرمالیں' بلکہ اپنے ساتھ اپنی آل اور ازواج اور ذریت کو بھی آپ نے شامل کر لیا۔ ازواج اور ذریت کے معنی تو ظاہر ہیں۔ رہا آل کا لفظ' تو وہ محض حضورﷺ کے خاندان والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ آ جاتے ہیں جو آپؐ کے پیرو ہوں اور آپؐ کے طریقے پر چلیں۔ عربی لغت کی رو سے آل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی آل وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی' مددگار اور متبع ہوں' خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں' خواہ وہ اس کے ساتھی اور متبع ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ۱۴ مقامات پر آلِ فرعون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں سے کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اس کے ساتھی تھے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ آیات ۴۹۔۵۰' آل عمران: ۱۱' الاعراف: ۱۳۰' المؤمن: ۴۶)۔ پس آلِ محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمدﷺ کے طریقے پر نہ ہو' خواہ وہ خاندانِ رسالت ہی کا فرد ہو' اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہو' خواہ وہ حضورﷺ سے کوئی دور کا بھی نسبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندانِ رسالت کے وہ افراد بدرجۂ اولیٰ آلِ محمدؐ ہیں جو آپؐ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور آپؐ کے پیرو بھی ہیں۔

ثالثاً : ہر درود جو حضورﷺ نے سکھایا ہے اس میں یہ بات ضرور شامل ہے کہ آپؐ پر ویسی ہی مہربانی فرمائی جائے جیسی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر فرمائی گئی ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے میں

لوگوں کو بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں علماء نے کی ہیں‘ مگر کوئی تاویل دل کو نہیں لگتی۔ میرے نزدیک صحیح تاویل یہ ہے (**والعلم عند اللّٰہ**) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک خاص کرم فرمایا ہے جو آج تک کسی پر نہیں فرمایا‘ اور وہ یہ ہے کہ تمام وہ انسان جو نبوت اور وحی اور کتاب کو ماخذِ ہدایت مانتے ہیں وہ حضرت ابراہیمؑ کی پیشوائی پر متفق ہیں‘ خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی یا یہودی۔ لہٰذا نبی ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے پیروؤں کا مرجع بنایا ہے اسی طرح مجھے بھی بنا دے‘ اور کوئی ایسا شخص جو نبوت کا ماننے والا ہو میری نبوت پر ایمان لانے سے محروم نہ رہ جائے۔

یہ امر کہ حضور ﷺ پر درود بھیجنا سنت اسلام ہے‘ جب آپ کا نام آئے اس کا پڑھنا مستحب ہے‘ اور خصوصاً نماز میں اس کا پڑھنا مسنون ہے‘ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اس امر پر بھی اجماع ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اس کا حکم دیا ہے‘ لیکن اس کے بعد درود کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ نماز میں آخری مرتبہ جب آدمی تشہد پڑھتا ہے اُس میں صلوٰۃ علی النبی پڑھنا فرض ہے‘ اگر کوئی شخص نہ پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ صحابہؓ میں سے ابن مسعودؓ‘ ابومسعود انصاری‘ ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم‘ تابعین میں سے شعبی‘ امام محمد باقر‘ محمد بن کعب قرظی اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم اور فقہاء میں سے اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک تھا‘ اور آخر میں امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ درود عمر میں صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ یہ کلمۂ شہادت کی طرح ہے کہ جس نے ایک مرتبہ اللہ کی الٰہیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کر لیا اس نے فرض ادا کر دیا۔ اسی طرح جس نے ایک مرتبہ درود پڑھ لیا وہ فریضۂ صلوٰۃ علی النبی سے سبکدوش ہو گیا۔ اس کے بعد نہ کلمہ پڑھنا فرض ہے نہ درود۔

ایک اور گروہ نماز میں اس کا پڑھنا مطلقاً واجب قرار دیتا ہے‘ مگر تشہد کے ساتھ اس کو مقید نہیں کرتا۔

ایک دوسرے گروہ کے نزدیک ہر دعا میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ کچھ اور لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب بھی حضور ﷺ کا نام آئے‘ درود پڑھنا واجب ہے۔ اور ایک گروہ کے نزدیک

ایک مجلس میں حضور ﷺ کا ذکر خواہ کتنی ہی مرتبہ آئے' درود پڑھنا بس ایک دفعہ واجب ہے۔

یہ اختلافات صرف وجوب کے معاملہ میں ہیں' باقی رہی درود کی فضیلت اور اس کا موجب اجر وثواب ہونا اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونا' تو اس پر ساری اُمت متفق ہے۔ اس میں کسی ایسے شخص کو کلام نہیں ہو سکتا جو ایمان سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو۔ درود تو فطری طور پر ہر اس مسلمان کے دل سے نکلے گا جسے یہ احساس ہو کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔ اسلام اور ایمان کی جتنی قدر انسان کے دل میں ہوگی اتنی ہی زیادہ قدر اس کے دل میں نبی ﷺ کے احسانات کی بھی ہوگی۔ اور جتنا زیادہ آدمی ان احسانات کا قدر شناس ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ حضور ﷺ پر درود بھیجے گا۔ پس درحقیقت کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دینِ محمد ﷺ سے ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے اور نعمت ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔ اسی بنا پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً لَمْ تَزِلِ الْمَلَائِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ مَا صَلّٰی عَلَیَّ)) (احمد و ابن ماجہ)

''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے' ملائکہ اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے۔''

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا)) (مسلم)

''جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔''

((اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً))(ترمذی)

''قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔''

((اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ)) (ترمذی)

''بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے''۔

نبی ﷺ کے سوا دوسروں کے لیے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فُلَانٍ' یَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں' اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ' جس میں قاضی عیاضؒ سب سے زیادہ نمایاں ہیں اسے مطلقاً جائز رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود غیر انبیاء پر صلوٰۃ کی متعدد

مقامات پر تصریح کی ہے۔ مثلاً:

﴿اُولٰئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ﴾ (البقرة:۱۵۷)

﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَیۡهِمۡ﴾ (التوبة:۱۰۳)

﴿هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ﴾ (الاحزاب:۴۳)

اسی طرح نبی ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر لفظ صلوٰۃ کے ساتھ غیر انبیاء کو دعا دی ہے۔ مثلاً ایک صحابی کے لیے آپؐ نے دعا فرمائی کہ: ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیۡ اَوۡفٰی))۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی بیوی کی درخواست پر فرمایا: ((صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡکِ وَعَلٰی زَوۡجِکِ)) جو لوگ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے ان کے حق میں آپؐ فرماتے: ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیۡهِمۡ))۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡ صَلٰوتَکَ وَرَحۡمَتَکَ عَلٰی آلِ سَعۡدِ بۡنِ عُبَادَةَ)) اور مؤمن کی روح کے متعلق حضور ﷺ نے خبر دی کہ ملائکہ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں: صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡکَ وَعَلٰی جَسَدِکَ لیکن جمہور اُمت کے نزدیک ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول کے لیے تو درست تھا مگر ہمارے لیے درست نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب یہ اہل اسلام کا شعار بن چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کو انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص کرتے ہیں' اس لیے غیر انبیاء کے لیے اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا تھا کہ ''میں نے سنا ہے کہ کچھ واعظین نے یہ نیا طریقہ شروع کیا ہے کہ وہ صلوٰۃ علی النبیؐ کی طرح اپنے سرپرستوں اور حامیوں کے لیے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو اس فعل سے روک دو اور انہیں حکم دو کہ وہ صلوٰۃ کو انبیاء کے لیے مخصوص رکھیں اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں دعا پر اکتفا کریں'' (روح المعانی)۔ اکثریت کا یہ مسلک بھی ہے کہ حضور ﷺ کے سوا کسی نبی کے لیے بھی ﷺ کے الفاظ کا استعمال درست نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

❁❁❁

درس ۴

بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں
اسلامی انقلاب کے لیے طریق کار اور آخری اقدام

انجینئر نوید احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ
کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا
حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ
تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ (آل عمران)

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ
وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ
بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ
السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ
الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ (التوبۃ)

☆ تمہیدی نکات:

(۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ چہارم سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور سورۃ التوبۃ کی آیات ۱۱۱ تا ۱۱۲ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(۲) منتخب نصاب نمبر۲ کے درسِ اوّل میں چند مقاماتِ قرآنی کے ذریعے دینی فرائض کا جامع تصور واضح کیا گیا۔ درسِ دوم میں دینی فرائض میں سے خاص طور پر اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کی فرضیت کو نمایاں کیا گیا۔ اس کے بعد درسِ سوم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے مقصد یعنی قیامِ عدل کی وضاحت کی گئی۔ اب درسِ چہارم میں ہم موجودہ بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں اقامت دین کے طریق کار اور اِس حوالے سے آخری اقدام کو سمجھیں گے۔

(۳) گزشتہ دروس سے یہ بات معین ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نجاتِ اُخروی کے حصول کے لیے اِس دنیا میں ہماری جدّوجہد کا اصل ہدف اللہ کے دین کا غلبہ یعنی ایسے نظام کا بالفعل قیام ہے جس میں اللہ کو حاکمِ حقیقی تسلیم کیا جائے اور اُسی کی بڑائی جاری وساری ہو۔ اِس کے لیے پہلے سے رائج نظام کو تلپٹ کرنا ہوگا اور پھر متبادل نظام قائم ونافذ کرنا ہوگا۔ اِس عمل کے لیے ایک جدید اصطلاح ''اسلامی انقلاب'' ہے۔ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے طریق کار کے بارے میں اصولی ہدایت قرآنِ حکیم سے ملتی ہے جو اِس درس میں ہم سمجھیں گے۔ البتہ اِس کے لیے عملی رہنمائی ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے حاصل ہوگی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تاریخ انسانی کی وہ واحد ہستی ہیں کہ جنہوں نے اقامتِ دین کے لیے تن تنہا انقلابی جدّوجہد کا آغاز کیا اور محض اکیس برس کے عرصہ میں بالفعل انقلاب برپا کر کے اقامتِ دین کی منزل سر کر لی۔

اب ہم ان آیاتِ مبارکہ پر غور وفکر کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران' آیات۱۰۲۔۱۰۴

سورۂ آل عمران کی تین آیات پر مشتمل یہ مقام قرآنِ مجید کے جامع ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ اِن تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کے لیے فوز وفلاح کے حصول کا سہ نکاتی لائحۂ عمل ایک منطقی تدریج کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہلی آیت میں اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو ذاتی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے۔ دوسری آیت میں افراد کو قرآن حکیم کو مرکز ومحور بناتے ہوئے ایک منظّم جماعت کی صورت اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تیسری آیت میں جماعت کو معاشرے کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو دائمی فوز وفلاح کی نوید سنائی گئی ہے۔

☆ آیت ۱۰۲

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو!"...... ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ "اللہ کی نافرمانی سے بچو جیسا کہ اُس کی نافرمانی سے بچنے کا حق ہے"......﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾﴾ "اور ہرگز نہ مرنا مگر فرمانبرداری کی حالت میں"۔

◆ اِس آیت میں بڑے تاکیدی اسلوب میں ہر مسلمان فرد کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہے فوز وفلاح کے حصول کے لیے لائحۂ عمل کا پہلا نکتہ۔ تقویٰ دین کی اصل روح ہے۔ تقویٰ کے لغوی معنی ہیں بچنا۔ اصطلاحی طور پر اِس کا مفہوم ہے اللہ کی نافرمانی یا اللہ کی ناراضگی سے بچنا۔ انگریزی زبان میں "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو" کا بڑا مناسب ترجمہ کیا جاتا ہے "Have regard for Allah."۔ البتہ اللہ کا تقویٰ انسان اختیار نہیں کرسکتا جب تک اُسے اللہ کے سامنے حاضری کا خوف اور ڈر نہ ہو۔ اِسی لیے تقویٰ کے معنی کردیے جاتے ہیں ڈرنا۔ اگر اللہ کے سامنے پیشی اور جوابدہی کا ڈر نہ ہو تو انسان کو اُس کا علم اور عقل، اللہ کی اطاعت سے بچنے کے لیے چور دروازے دکھاتے اور طرح طرح کے حیلے سجھاتے ہیں۔

◆ تقویٰ کی بڑی عمدہ وضاحت امام ابنِ کثیرؒ نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر کے آغاز میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں نقل کی ہے:

سَاَلَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ (اُبَیَّ بْنِ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ) عَنِ التَّقْوٰی، فَقَالَ لَہٗ : اَمَا سَلَکْتَ طَرِیْقًا ذَا شَوْکٍ؟ قَالَ : بَلٰی، قَالَ : فَمَا عَمِلْتَ؟ قَالَ : شَمَّرْتُ وَاجْتَہَدْتُ، قَالَ : فَذٰلِکَ التَّقْوٰی!

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے) پوچھا: تقویٰ کیا ہے؟ تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا کبھی آپ ایسے کسی راستہ سے گزرے ہیں جو کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان ہو؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا جی ہاں۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے سوال کیا کہ پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اپنا لباس سمیٹتا ہوں اور جسم کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا: یہی تو تقویٰ ہے!"

◆ تقویٰ دراصل ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنے قلبِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا" یعنی تقویٰ دل میں ہوتا ہے۔ یہ انسان کو ایک خاص مثبت رویہ (positive atitude)

عطا کرتا ہے۔ اِس رویہ کے تحت انسان پر ہر وقت خدا خوفی اور اُخروی جواب دہی کا احساس طاری رہتا ہے' لہٰذا وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ اگر نافرمانی ہو ہی جائے تو توبہ کرتا ہے۔ اگر کوئی انسان اسے اُس کی غلطی سے آگاہ کرے تو وہ اسے انا کا مسئلہ نہیں بناتا بلکہ غلطی پر متوجہ کرنے والے کا ممنون ہوتا ہے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ نہ ہو تو انسان اپنی غلطی مانتا ہی نہیں' یا پھر غلطی کی توجیہات پیش کرتا ہے۔

◆ اِس آیت میں فرمایا کہ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' جیسا کہ اُس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے''۔ بلاشبہ یہ تاکید کا آخری اسلوب ہے اور اِس مقام تک کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا۔ اصول بہر حال یہی ہے کہ آئیڈیل اونچا ہونا چاہیے اور نگاہ بلند ہونی چاہیے۔ اب جہاں تک کوئی رسائی حاصل کر سکے یہ اُس کی ہمت ہے۔ یہ حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ کس کے لیے ممکن ہے کہ اللہ کے تقویٰ کا حق ادا کر سکے؟ البتہ جب سورۃ التغابن کی آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تم استطاعت رکھتے ہو'' تو اُن کی جان میں جان آئی۔

◆ ''اللہ کا تقویٰ ایسے اختیار کرنا جیسا کہ اُس کا حق ہے'' سے مراد یہ ہے کہ ہم ہر معاملہ میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی امکانی حد تک کوشش کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ معاملات میں تو اللہ کا کہنا مانا جا رہا ہو اور کچھ میں اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾﴾ (البقرۃ)

''تو کیا تم کتاب کی کچھ باتوں کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ تو کچھ بدلہ نہیں ہے تم میں سے اُس کا جو کوئی بھی ایسا کرے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں' اور قیامت کے دن وہ لوٹائے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف' اور اللہ غافل نہیں ہے اُس عمل سے جو تم کر رہے ہو''۔

آج دنیا میں اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا سبب یہی ہے کہ ہماری اکثریت بعض معاملات میں اللہ کی نافرمانی سے بچتی ہے اور بعض میں نہیں۔ اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی تو آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہمیں اپنی مکمل

فرمانبرداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

◆ اِس آیت میں دوسرا حکم ہے ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہرگز نہ مرنا' مگر حالتِ اسلام میں''۔ اسلام کا فقہی و قانونی مفہوم ہے مسلمان ہونا' اوراس کا لغوی مفہوم ہے فرمانبردار ہونا۔ اگر یہاں اسلام کا اصطلاحی مفہوم مراد لیا جائے تو آیت کے پہلے حصے کا زورِ بیان غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں جو تاکیدی اسلوب ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ اُس کا تقاضا ہے کہ یہاں اسلام کا لغوی مفہوم مراد لیا جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نصیحت یہ ہے کہ ''تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ فرمانبرداری میں''۔ جب کوئی شخص گناہِ کبیرہ کر رہا ہوتا ہے تو قانونی اعتبار سے مسلمان ہی ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے حالتِ ایمان میں نہیں ہوتا۔ نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے :

((لَایَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ))(۱)

''کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا' اور کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری نہیں کرتا' اور کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب نہیں پیتا''۔

حقیقت کے اعتبار سے نافرمانی کی حالت میں موت بڑی حسرت ناک موت ہے۔ تصور کیجیے کہ اگر ایک شخص کی عین عملِ زنا کے دوران جان سلب کر لی جائے تو یہ کتنی عبرت ناک موت ہوگی! پھر نوٹ فرمائیے کہ ایک ارشادِ نبویﷺ کے مطابق سود کھانے کا گناہ زنا سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے :

((دِرْھَمُ رِبًا یَّاْکُلُہُ الرَّجُلُ وَ ھُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ زَنْیَۃً))(۲)

''سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے چھتیس بار زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے''۔

ایک اور حدیثِ نبویﷺ ہے :

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا' اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ))(۳)

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب قول اللّٰہ تعالی **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ** ...... وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی......

(۲) مسند احمد' مسند الانصار' ح : ۲۰۹۵۱

(۳) سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب التغلیظ فی الربا۔

''سودخوری کے گناہ کے ستر حصے ہیں' اِن میں سب سے کم ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرلے''۔

اِس حدیث کی روشنی میں عملِ زنا اور عملِ سود میں کیا نسبت قائم ہوسکتی ہے! ہزار گنا بھی کہا جائے تو کم ہے۔ عملِ زنا تو ہمیں طبعاً بہت ہی بُرا لگتا ہے' اِس لیے کہ اسے برا سمجھنا ہماری روایت کا ایک جزو بن گیا ہے' جبکہ ہماری اکثریت سود جیسے گناہ میں ملوث ہے اور سود کھاتے ہوئے مرنا' اِس تصور پر ہمیں جھرجھری نہیں آتی اور ناگواری محسوس نہیں ہوتی۔ اِس کے علاوہ کئی اور گناہ ہیں جن کا ارتکاب ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے' مثلاً عبادات سے غفلت' بے پردگی و بے حیائی' حرام کاروبار کی مختلف صورتیں اور دیگر منکرات وغیرہ۔ اللہ ہمیں موت کا وقت آنے سے پہلے پہلے اِن گناہوں کو ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

◆ ''تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ فرمانبرداری میں'' کا حکم تقاضا کر رہا ہے کہ ایک ایک لمحہ چوکس اور چوکنے ہوکر احتیاط سے بسر کیا جائے۔ کہیں کوئی لمحہ حالت نافرمانی میں نہ گزرے۔ کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں کہ کس لمحے اُس کی موت آ جائے!

☆ آیت ۱۰۳

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا﴾ ''پکڑ لو مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسّی کو سب کے سب مل کر'' ...... ﴿وَلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ ''اور جدا جدا نہ ہو جاؤ'' ...... ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ﴾ ''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو'' ...... ﴿اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً﴾ ''جب تم باہم دشمن تھے'' ...... ﴿فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ﴾ ''تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی'' ...... ﴿فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ ''پھر تم ہو گئے اُس کی نعمت سے بھائی بھائی'' ...... ﴿وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ''اور تم تھے آگ کے گڑھے کے کنارے پر'' ...... ﴿فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا﴾ ''پس اُس نے تمہیں اُس سے بچا لیا'' ...... ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ﴾ ''اِسی طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات'' ...... ﴿لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ۝۱۰۳﴾ ''تاکہ تم ہدایت حاصل کرو''۔

◆ اِس آیت میں اہلِ ایمان کو ہدایت کے دوسرے نکتہ کے طور پر باہم جمع ہو کر ایک اجتماعیت قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ افراد کو جمع کر کے اُن کی شیرازہ بندی سے ایک قوت وجود میں آتی ہے۔ اہلِ ایمان کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ہوگی؟ اُن کو جوڑنے والی شے کون سی ہے؟ یہ

شے ہے ''حبل اللہ'' یعنی اللہ کی رسّی۔ حکم دیا گیا: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا﴾ کہ سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ حبل اللہ سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ ارشاداتِ نبوی ہیں:

((وَھُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ))(٤)

''یہی (قرآن مجید) اللہ کی مضبوط رسّی ہے''۔

((کِتَابُ اللّٰہِ حَبۡلٌ مَّمۡدُوۡدٌ مِّنَ السَّمَاءِ اِلَی الۡاَرۡضِ))(٥)

''اللہ کی کتاب تنی ہوئی رسّی ہے آسمان سے زمین کی طرف''۔

گویا مسلمانوں کی باہم شیرازہ بندی کی بنیاد قرآنِ حکیم ہے۔

◆ اعتصام کا لفظ ع ص م سے بنا ہے۔ عَصَمَ یَعۡصِمُ کے معنی ہیں ''کسی کو بچانا''۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ٦٧ میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اللہ آپ ﷺ کو بچائے گا (یعنی آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا) لوگوں سے''۔ ع ص م سے بابِ اِفتعال میں مصدر بنتا ہے اِعتِصام۔ اِس کا مطلب ہے ''خود بچنا' اپنا تحفظ حاصل کرنا''۔ یعنی حفاظت کی غرض سے کسی چیز کو پکڑ لینا' کسی چیز کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا۔ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ کا مطلب ہوا اپنے تحفظ کے لیے اللہ کی رسّی یعنی قرآنِ حکیم سے چمٹ جانا۔

◆ بلاشبہ ہماری حفاظت کا مؤثر ترین ذریعہ قرآنِ حکیم ہی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

''وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملتِ اسلامی کے جسد ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ ہم تو سرتا پا خاک ہی خاک ہیں' اور ہمارا قلب زندہ اور ہماری روح تابندہ دراصل قرآن ہی سے ہے۔ لہٰذا اُسے مضبوطی سے تھام لو کہ یہی اللہ کی رسّی ہے!''

قرآنِ حکیم کے ذریعۂ حفاظت ہونے کا مظہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلامُ علیہا کو جنت سے نکل جانے اور زمین میں جا کر آباد ہونے کا حکم دیا تو

(٤) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی فضل القرآن۔

(٥) سنن الترمذی' ابواب المناقب' عن رسول اللہ ﷺ' باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ۔

ساتھ ہی فرمایا :

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

''پس اگر تمہارے پاس آئے میری طرف سے ہدایت تو جس کسی نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم سے دوچار ہوں گے''۔

اِسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ))[٦]

''میں تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اِس سے چمٹے رہے کبھی گمراہ نہ ہوگے' (اور وہ ہے) اللہ کی کتاب (قرآن کریم)''۔

قرآنِ حکیم کے ذریعے ہماری حفاظت کے دو پہلو ہیں :

(i) انفرادی اعتبار سے انسان کے نفس کی باطنی بیماریوں سے حفاظت یعنی تزکیۂ نفس کا ذریعہ قرآنِ حکیم ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ (یونس)

''اے لوگو! تمہارے پاس آ چکی ہے نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے اور یہ شفاء ہے دل کی بیماریوں کی اور اہل ایمان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے''۔

انسان کے نفس کے اندر جو روگ ہوتے ہیں' جیسے حب جاہ' حب دُنیا' حب مال' ان کے ازالے اور ان کے معالجے کے لیے اس سے بڑی دوا کوئی نہیں۔ نفس کو شیطان کی وسوسہ اندازی کے شر سے بچانے کے لیے تعلیماتِ قرآنی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ قرآنِ حکیم پڑھ کر ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ واقعتاً شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن اور ایک بڑی طاقت ہے۔ قرآنِ حکیم ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ کس کس طریقے سے وہ ہمارے سامنے جال پھیلاتا ہے' اِس دنیا کی زندگی میں کشش پیدا کرتا ہے اور انسان کے برے اعمال کو اُس کے لیے مزین کر کے دکھاتا ہے۔ پھر شیطان کے حملوں سے بچنے کی تدابیر اور دعائیں بھی قرآن ہی ہمیں سکھاتا ہے۔

(ii) اجتماعی اعتبار سے اُمت کے لیے ذلت و رسوائی سے بچنے اور عزت کے حصول کا

(٦) صحيح مسلم' كتاب الحج' باب حجة النبى ﷺ۔

ذریعہ قرآنِ حکیم ہے۔ از روئے حدیث نبویؐ:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))[7]

''اللہ اِس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو عزت و عروج عطا فرمائے گا اور (اِسے ترک کر دینے کی وجہ سے) دوسروں کو ذلت سے دوچار فرمائے گا''۔

◆ قرآنِ حکیم سے چمٹنے سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کے حسبِ ذیل حقوق ادا کیے جائیں :

۱) قرآنِ حکیم پر قلبی یقین والا ایمان رکھنا۔

۲) قرآنِ حکیم کی پیروی کی نیت سے تلاوت کرنا۔

۳) قرآنِ حکیم کو اپنی صلاحیت کے مطابق سمجھنا۔

۴) قرآنِ حکیم پر عمل کرنا اور اِس کے اجتماعی اَحکام کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا۔

۵) قرآنِ حکیم کی تعلیمات دوسروں تک پہنچانا۔

(اس حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تصنیف ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا مطالعہ مفید رہے گا)

◆ قرآنِ حکیم سے چمٹنا انسان کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں حکم دیا گیا ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ'' —— یعنی اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ اللہ کے ساتھ چمٹنے کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کی رسّی یعنی قرآنِ حکیم کے ساتھ چمٹ جاؤ۔

◆ ''**جَمِيْعًا**'' کے لفظ کے لیے یہاں دونوں امکانات موجود ہیں۔ ''**جَمِيْعًا**'' حبل اللہ یعنی قرآن کا حال بھی ہوسکتا ہے اور مخاطبین کا بھی۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ پورے قرآن کو تھامو' یعنی قرآن کے ہر حکم پر عمل کرو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ''سب مل جل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو''۔ اِس سے اب ایک جمعیت وجود میں آ جائے گی۔

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور آپس میں متفرق نہ ہو' تفرقہ نہ ڈالو''۔ تفرقہ یعنی باہم اختلافات کے نتیجہ میں انتشار سے بچنے کے لیے بھی قرآنِ حکیم ایک بہترین ذریعہ ہے۔ قرآنِ حکیم کے بتائے ہوئے راستہ کی پیروی کرنے سے اختلاف والی باتیں پس پشت چلی جاتی ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ باہم اختلافات والی باتیں سطحی اور فروعی

(۷) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه......

نوعیت کی ہیں۔ قرآنِ حکیم ہمیں ایسا اعلیٰ مشن اور بلند نصب العین دیتا ہے کہ ہم فروعی اختلافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اختلافات اور تفرقہ کی بنیاد عام طور پر منافقت پر ہوتی ہے۔ جب قرآنِ حکیم کے ذریعہ سے انسان کا منافقانہ رخ ختم ہو جاتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ تفرقے بھی آپ سے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔

◆ اِس کے بعد قرآنِ حکیم کی وجہ سے ختم ہونے والے ایک تفرقہ کا بطورِ نعمت ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا﴾ ''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو جبکہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے' تو اُس نے تمہارے دلوں کے مابین محبت ڈال دی تو تم اُس کی اس نعمت کے سبب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے''۔ یہ دراصل ایک تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام سے قبل عربوں کے درمیان معمولی مسائل پر جنگیں چھڑ جاتیں جو طویل عرصہ تک جاری رہتیں۔ مولانا حالی نے اِس کا نقشہ یوں کھینچا ہے : ؎

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا!

قرآنِ حکیم نے آکر دلوں کی کیفیت بدل دی، عرب کے عام انسانوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام تک بلند کر دیا' اور اب ایک دوسرے کے لیے ایثار کا وہ جذبہ سامنے آیا جس کی تحسین اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں فرمائی:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر: ۹)
''وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود کتنے ہی تنگ دست ہوں''۔

◆ اِس کے بعد مزید فرمایا: ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ ''اور (یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو) جبکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اُس نے تمہیں اِس سے بچا لیا''۔ یہاں خاص طور پر قبیلہ اَوس اور قبیلہ خزرج کی طرف اشارہ ہے۔ اُن کے مابین طویل عرصہ سے جنگ چلی آ رہی تھی۔ جیسے آج بھی قبائل کے درمیان دشمنی اور خون ریزی کے معاملات نسل در نسل چلتے ہیں' وہاں بھی کشت وخون کا بازار گرم تھا۔ صحابۂ کرامؓ سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم تباہی کے آخری کنارے تک پہنچ چکے تھے مگر اللہ نے تمہیں بچا لیا' دنیا میں مالی و جانی تکالیف اور نقصان سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔ آج ہمارے

درمیان بھی زبان اور نسل کی بنیاد پر نفرتیں ہیں۔ قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر عمل سے ہمارا باہمی انتشار ختم ہوسکتا ہے اور آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہوسکتی ہے۔

◆ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ''اِسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو''۔ قرآنِ حکیم کا مقصدِ نزول ہدایت ہے' یعنی تعلیماتِ قرآنی کو سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا۔ اِس دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہے جن کو ہم نعمتیں کہتے ہیں' لیکن قرآنِ مجید نعمت کہتا ہے' نعمت ہدایت کو۔ بلاشبہ نعمتِ ہدایت ہی ہر نعمت کی روح ہے۔ ہدایت ہے تو دنیا کی ہر نعمت واقعی نعمت ہے ورنہ روزِ قیامت یہ نعمتیں انسان کے لیے پکڑ کا باعث بن جائیں گی۔ انسان کے پاس مال و دولت بھی ہو' اولاد بھی ہو' جائیداد بھی ہو' منصب بھی ہو' لیکن اگر ان تمام چیزوں کو استعمال کرنے کی ہدایت اور رہنمائی نہیں ہے تو وہ سب انسان کے لیے ہلاکت ہیں' اور اگر انسان کے پاس اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنے کا ڈھنگ ہو تو وہ سب نعمتیں مفید اور کارآمد ہیں۔ مثلاً روپیہ پیسہ اللہ کی نعمت ہے' لیکن اِسی صورت میں کہ انسان ہدایتِ خداوندی کی روشنی میں اُسے جائز ذرائع سے حاصل کرے اور جائز مدات میں صرف کرے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جب دریافت فرمائیں گے کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ تو انسان کے لیے جوابدہی مشکل ہو جائے گی' اور یہی پیسہ انسان کے لیے ہلاکت بن جائے گا۔

☆ آیت ۱۰۴

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے'' ...... ﴿وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دے'' ...... ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور برائی سے روکے'' ...... ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

◆ اِس آیت میں ہدایت کا تیسرا نکتہ بیان کیا جارہا ہے۔ قرآن کی بنیاد پر وجود میں آنے والی اہلِ ایمان کی اجتماعیت کو ''اُمت'' قرار دے کر ایک عملی لائحہ عمل کی رہنمائی دی جارہی ہے۔

◆ یہاں ''اُمت'' کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اُمت کے معنی ہیں ہم مقصد لوگوں کا گروہ۔ اُمت کسی نسل' زبان یا علاقے کی بنیاد پر نہیں بنتی۔ یہ بنیادیں قومیت کے لیے ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے لیے پورے قرآن میں کہیں لفظ ''قوم'' نہیں آیا۔ سابقہ انبیاء

اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے اور اُن کی دعوت میں ''یَا قَوْمِ'' کے الفاظ آتے ہیں۔ نبی اکرمﷺ کی رسالت تمام انسانوں کی طرف ہے' لہٰذا قرآنِ حکیم میں خطاب ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ'' اور ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے ہوتا ہے۔ آپﷺ پر ایمان لانے والے ایک قوم نہیں بلکہ ایک اُمت یا حزبُ اللہ ہیں۔ اُن کا مقصد ہے ''شہادت علی الناس'' یعنی لوگوں کو نیکی کی تلقین کرنا اور برائیوں سے روکنا اور اُن تک اللہ کی تعلیمات کو پہنچا دینے کا حق ادا کر دینا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرة:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (آخر الزماںﷺ) تم پر گواہ بنیں''۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آلِ عمران : ۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔ تم (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اگر پوری اُمت اِس مقصد سے غافل ہو جائے تو عذابِ شدید سے دوچار ہو سکتی ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ارشادِ نبویﷺ ہے :

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ' اَوْ لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَاباً مِّنْہُ ' ثُمَّ تَدْعُوْنَہٗ فَلاَ یُسْتَجَابَ لَکُمْ))[۸]

''قسم ہے اُس ہستی کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو گے' اور برائی سے روکتے رہو گے ورنہ اندیشہ ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے گا' پھر تم اُسے پکارو گے لیکن تمہاری پکار کا جواب نہیں دیا جائے گا''۔

البتہ اگر پوری اُمت اپنے مقصد کو بھول جائے اور شہادت علی الناس کی ذمہ داری کو نظر انداز

---

(۸) سنن الترمذی' ابواب الفتن عن رسول اللہﷺ ' باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر۔

کردے تو کیا پھر سب کے سب سوئے رہیں؟ نہیں! تم میں ہم مقصد لوگوں کا ایک گروہ تو ایسا ضرور ہو جو جاگے، منظّم ہو اور دوسروں کو جگائے۔ اِس گروہ کو تین کام کرنے ہیں:

(i) دعوت الی الخیر یعنی بھلائی کی طرف بلائے۔

(ii) امر بالمعروف، یعنی نیکی کا حکم دے۔

(iii) نہی عن المنکر، یعنی برائی سے روکے۔

◆ دعوت الی الخیر میں خیر سے کیا مراد ہے؟ خیر کا لفظ قرآنِ حکیم میں اکثر و بیشتر تین معنی میں آتا ہے۔ خیر دُنیوی مال و اسباب کے لیے بھی آتا ہے، جیسے سورۃ العادیات میں فرمایا گیا: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ ''اور یقیناً وہ (انسان) دُنیوی مال و اسباب کی محبت میں شدید ہے''۔ ظاہر بات ہے کہ اس مقام پر خیر کا یہ مفہوم مراد نہیں ہوسکتا کہ مال و دولت کی طرف بلایا جائے۔ خیر کا دوسرا مفہوم ہے بھلائی، جیسے سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۷ میں وارد ہوا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ ''اور تم جو بھی کوئی کام کرتے ہو بھلائی میں سے اللہ اُسے جانتا ہے''۔ یہ مفہوم یہاں مراد ہوسکتا ہے، لیکن آگے لفظ معروف بھی اِسی معنی میں آ رہا ہے جس سے بظاہر ایک تکرار سامنے آ رہی ہے۔ خیر کا تیسرا مفہوم ہے خود قرآنِ حکیم جو بلاشبہ سب سے بڑی بھلائی ہے۔ سورۃ النحل آیت ۳۰ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ﴾ ''اور جب پوچھا گیا اُن لوگوں سے جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل کیا؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے رب نے خیر نازل کی ہے''۔ یہ مفہوم اِس مقام پر زیادہ مناسب ہے، یعنی دعوت الی الخیر سے مراد ہے دعوت الی القرآن۔ چنانچہ مسلمانوں کی اس اجتماعیت کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو قرآنِ حکیم کے حقوق کی ادائیگی کی طرف دعوت دے۔

◆ امر بالمعروف کے حوالے سے نوٹ کیجیے کہ امر کا لفظ عربی میں ترغیب و تشویق، مشورہ دینے اور تحکم یعنی حکم جاری کرنے کے لیے آتا ہے۔ معروف کے لغوی معنی ہیں جانا پہچانا کام۔ نیکی کو معروف اِس لیے کہتے ہیں کہ اِس کی پہچان اللہ نے ہمارے اندر الہام کر دی ہے۔ ہمارے وجود میں روحِ ربانی ہے جسے نہ صرف نیکی کی معرفت ہے بلکہ اِس کا میلان بھی نیکی کی طرف ہے۔ شرعی اعتبار سے وہ باتیں جن کا اللہ اور نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا وہ معروف ہیں۔ مسلمانوں کی قائم ہونے والی اجتماعیت کی دوسری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب

دے‘ تلقین کرے اور جہاں ممکن ہو اِس کا حکم دے۔

◆ نہی عن المنکر کے ضمن میں نوٹ کیجیے کہ منکر کے لغوی معنی ہیں ناپسندیدہ کام۔ برائی کو منکر اِس لیے کہتے ہیں کہ فطرتِ انسانی اِسے ناپسند کرتی ہے۔ شرعی اعتبار سے وہ باتیں جن سے اللہ اور نبی اکرمﷺ نے منع فرمایا منکر ہیں۔ نہی عن المنکر یعنی برائیوں سے روکنا مسلمانوں کی اجتماعیت کی تیسری ذمہ داری ہے۔

◆ ’’دعوت الی الخیر‘‘ اور ’’امر بالمعروف ونہی عن المنکر‘‘ تبلیغ کے دو مختلف اسلوب ظاہر کرتے ہیں۔ دعوت کی اصل روح سوز‘ ہمدردی‘ نصح وخیر خواہی اور اپیل کا انداز ہے۔ اِس میں خوشامد ہے۔ لوگوں کی منت سماجت کرنا کہ خدا کے لیے اپنی غلط روش سے باز آ جاؤ اور قرآن کی طرف لوٹ آؤ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں وعظ ونصیحت کا نہیں بلکہ تنفیذ کا انداز ہے۔ اِس میں تحکم بھی ہے اور حسبِ موقع قوت کا استعمال بھی ہے۔ ابتدا میں دعوت کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی جاتی ہے۔ البتہ جو لوگ ابوجہل کی طرح پیار کی زبان سے اثر قبول نہ کریں تو پھر قوت کے ذریعے اُنہیں سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ معاشرے کو ظلم وجور سے پاک کیا جا سکے۔

◆ ایک تصور یہ ہے کہ ہمیں صرف امر بالمعروف کا کام کرنا چاہیے‘ اِس سے منکرات کا سدباب خود بخود ہو جائے گا۔ یہ تصور درست نہیں‘ کیونکہ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ’معاذ اللہ‘ نہی عن المنکر کے الفاظ صرف زورِ بیان کے لیے ہیں۔ قرآن حکیم میں کوئی لفظ اضافی یا محض زورِ بیان کے لیے نہیں۔ قرآنِ حکیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک وحدت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ انسان کی تربیت واصلاح کے لیے دونوں امور ضروری ہیں۔ آیت زیرِ درس کے علاوہ حسبِ ذیل نو مقامات پر یہ دونوں اُمور بالکل ساتھ ساتھ بیان ہوئے ہیں:

(۱) سورۂ آل عمران‘ آیت ۱۱۰ (۲) سورۂ آل عمران‘ آیات ۱۱۴

(۳) سورۃ الاعراف‘ آیت ۱۵۷ (۴) سورۃ التوبۃ‘ آیت ۶۷

(۵) سورۃ التوبۃ‘ آیت ۷۱ (۶) سورۃ التوبۃ‘ آیت ۱۱۲

(۷) سورۃ النحل‘ آیت ۹۰ (۸) سورۃ الحج‘ آیت ۴۱

(۹) سورۂ لقمان‘ آیت ۱۷

گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں‘ ان کو جدا کر دینا قرآن کے بنیادی تصورات کی نفی قرار پائے گا۔ اِس حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کی کتاب ''اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

◆ قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں نہی عن المنکر کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے واضح ہوتی ہے :

﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾﴾ (المائدۃ)

''کیوں نہیں روکتے اُنہیں اُن کے صوفیا اور علماء گناہ کی باتوں سے اور حرام کھانے سے؟ بہت ہی بری کاریگری ہے جو وہ کر رہے ہیں''۔

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ (المائدۃ)

''لعنت کی گئی اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کی زبان سے۔ اِس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزرتے تھے۔ وہ روکتے نہیں تھے اُس برائی سے جو کہ لوگ کر رہے تھے۔ یقیناً برا فعل ہے جو وہ کر رہے تھے''۔

نبی اکرمﷺ کے ارشادات ہیں :

((مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))(٩)

''جو کوئی بھی تم میں سے کسی برائی کو دیکھے اُس کا فرض ہے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدلے۔ پھر اگر استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان کے ساتھ اُس سے روکے' اگر اِس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے' اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

یعنی اصلاً تو مطلوب یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکا جائے۔ البتہ اگر استطاعت نہ ہو' یعنی داخلی اعتبار سے آدمی کمزور یا بزدل ہے یا پھر خارجی اعتبار سے حالات واقعی انتہائی خوفناک ہوں اور جان کو خطرہ ہو تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے برائی کو روکا جائے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر دل میں برائی سے نفرت کی جائے۔ البتہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اِس حدیث سے

(٩) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان......

واضح ہو گیا کہ نہی عن المنکر ہر فرد کے ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ مراتبِ ایمانی کے ساتھ علی الترتیب نہی عن المنکر کے بھی تین مراتب ہو جائیں گے۔

ایک لرزا دینے والی حدیث ہے :

((اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَکَذَا بِاَھْلِھَا، فَقَالَ: یَا رَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ، قَالَ فَقَالَ: اقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ، فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ))(۱۰)

’’اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جبرائیلؑ کو کہ فلاں شہر کو مع اُس کے باشندوں کے اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کی: اے پروردگار! اُن لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے دوران (یعنی ایک لمحہ) بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُس شہر کو دیگر باشندوں کے ساتھ اُس پر بھی الٹ دو، کیوں کہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) میری خاطر اُس کا چہرہ ایک گھڑی بھی متغیر نہیں ہوا‘‘۔

ایسا شخص بے حمیت ہے جو اللہ کی نافرمانیاں دیکھے لیکن اُسے کوئی دکھ نہ ہو اور اُس کا خون تک نہ کھولے۔ کمزور سے کمزور انسان کو بھی اگر ماں کی گالی دی جائے، اور چاہے وہ اپنی کمزوری کے سبب گالی دینے والے پر اپنا ہاتھ نہ اٹھا سکے، مگر وہ غصے سے کانپے گا اور اپنی جگہ لرز کر رہ جائے گا۔ اِسی طرح اللہ کی نافرمانی کو دیکھ کر بھی انسان کا ردِّعمل کم از کم ایسے ہی ہونا چاہیے۔ ورنہ ایسا انسان بے حمیت ہی نہیں بے غیرت قرار پائے گا۔ اللہ ہمیں ایسی بے حسی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے :

مَا مِنْ نَّبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِی اُمَّۃٍ قَبْلِی اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ، ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ ، فَمَنْ جَاھَدَ ھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاھَدَ ھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ ، وَمَنْ جَاھَدَ ھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَ لَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ))(۱۱)

’’اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبیؑ نہیں بھیجا مگر یہ کہ اُس کے کچھ

---

(۱۰) رواہ البیہقی فی شعب الایمان: ۲۵۷۱/۶۔

(۱۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، حوالہ سابقہ

حواری اور صحابی ہوتے تھے جو اُس نبیؐ کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اُس کے احکامات کی پیروی کرتے تھے۔ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم ہی نہیں دیا گیا تھا۔ تو جو کوئی ان لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن شمار ہوگا' اور جو کوئی اُن سے زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن شمار ہوگا' اور جو کوئی اُن سے دل سے جہاد کرے گا وہ مومن شمار ہوگا' اور اِس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں''۔

یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ ''جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا اُنہیں حکم نہیں ہوا تھا''۔ حدیثِ مبارکہ کے اِس حصہ میں قول و فعل کا تضاد' عمل میں فسق و فجور اور بدعات تینوں چیزیں آ گئیں۔ گویا انتہائی جامع الفاظ میں ہمارے بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے کی تصویر آ گئی جس کی اصلاح کا طریقِ کار اِس درس کا عنوان ہے۔

◆ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مشورہ اور تحکم دونوں پہلو شامل ہوتے ہیں۔ غالب استعمال کے اعتبار سے زیادہ رجحان تحکم کا ہے جس کی وجہ سے ایک مغالطہ یہ پیدا ہوا کہ یہ صرف حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں کہ جب اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو اصلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُسی کی ذمہ داری ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿**اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ**﴾ (الحج:٤١)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے''۔

اگر اسلامی حکومت قائم ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اِس کی ذمہ داری ہے' لیکن اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اب یہ ذمہ داری ایک ایک فرد پر منتقل ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر شہریوں کے جان و مال کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ! فرض کیجیے کہ ملک میں انارکی ہو جائے' نظام درہم برہم ہو جائے' یا پولیس انتہائی کرپٹ ہو چکی ہو اور پہرے دار خود ڈاکو بن جائیں تو اِن حالات میں شہری پاؤں پھیلا کر اطمینان سے سو نہیں جائیں گے بلکہ اپنی حفاظت کا خود انتظام کریں گے۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ نہی عن المنکر میں دل' زبان اور ہاتھ سے برائی کو روکنے کے درجات شامل ہیں۔ لہٰذا اِس ذمہ داری کو صرف حکومت

پر ڈال دینا ایک طرح کی فراریت ہے۔

◆ آیت کے آخر میں بشارت دی گئی: ﴿وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ یہ کلامِ حصر ہے۔ اگر کہا جاتا ''اُولٰٓئِکَ مُفْلِحُوْنَ'' تو اِس کا مطلب ہوتا وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا مفہوم ہے یہی فلاح پانے والے ہیں۔ گویا محض ذاتی نیکی اور پارسائی سے فلاح حاصل نہیں ہوگی بلکہ اِس کے لیے دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روزِ قیامت وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو مذکورہ بالا امور کی انجام دہی کے لیے قائم ہونے والی اجتماعیت میں شامل ہوں اور فعال طور پر مذکورہ امور انجام دے رہے ہوں۔

◆ بعض مخلص لوگ دین کی خدمت کے جذبہ سے کسی اجتماعیت میں شامل تو ہو جاتے ہیں لیکن کسی مسلک' فرقہ واریت یا عوام میں پذیرائی حاصل کرنے کے لیے جزوی حق کی دعوت دینے میں مشغول رہتے ہیں۔ اِس آیت میں فلاح کی نوید صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو اجتماعی طور پر دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں ادا کریں۔ نہی عن المنکر کی اعلیٰ ترین صورت نہی عن المنکر بالید یعنی قتال فی سبیل اللہ ہے' جس کا ذکر سورۃ التوبۃ کی آیات ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں آ رہا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: اسلام کا فلسفۂ جرم وسزا

کے لیے ہے''۔ جب تک ہمارا مرنا جینا اللہ کے لیے نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری دعائیں بے اثر رہیں گی۔ دوسرے یہ کہ شریعت کی مکمل پابندی کیجیے۔ اس کے ساتھ کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جائیں جو غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہو۔ اور میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ صرف تنظیم اسلامی ''منہج انقلابِ نبویؐ '' کے مطابق صحیح رُخ پر کام کر رہی ہے۔ اس میں شامل ہو کر اپنی مالی' جانی' ذہنی' فکری تمام صلاحیتوں کو صرف کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات oo

(مرتب: حافظ فہد اللہ مراد)

اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ

(دین نام ہے خالص وفاداری اور خیرخواہی کا!)

عتیق الرحمٰن صدیقی

جلیل القدر صحابی ابورقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) قُلْنَا: لِمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ))[1]

''دین خلوص و خیرخواہی کا نام ہے''۔ہم نے پوچھا: کس کے لیے خلوص و خیرخواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے اجتماعی نظام کے سربراہوں کے لیے اور عام اہل اسلام کے لیے۔''

حدیث مبارکہ میں دین کو اَلنَّصِیْحَۃُ سے تعبیر کیا گیا ہے۔نصیحت کا لفظ عربی زبان میں خیانت و بے ایمانی' کھوٹ اور ملاوٹ کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے' جس کا ترجمہ مخلصانہ وفاداری اور مخلصانہ خیرخواہی سے کیا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اَلنُّصْحُ کسی ایسے قول یا فعل کا قصد کرنے کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی خیرخواہی ہو۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾﴾ (الاعراف) ''میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام سنا دیا اور تمہاری خیرخواہی کی' مگر تم ایسے ہو کہ خیرخواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔'' ﴿وَقَاسَمَھُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الاعراف) ''اور (شیطان نے) ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔'' ...... یہ یا تو نَصَحْتُ لَهُ الْوُدَّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان الدین النصیحۃ۔ ترمذی کی روایت میں ثَلَاثَ مِرَارٍ کا اضافہ ہے۔یعنی آپ ؐ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔

جس کے معنی کسی سے خالص محبت کرنے کے ہیں اور **ناصحُ العَسَل** خالص شہد کو کہتے ہیں' اور یا یہ **نصحتُ الجِلد** سے ماخوذ ہے جس کے معنی چمڑے کو سینے کے ہیں۔(مفردات القرآن)

امام خطابی کہتے ہیں کہ نصیحت ایک جامع لفظ ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ جس ذات کے لیے بھی نصیحت کا عمل انجام دیا جائے اس کا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ''**نَصَحَ الرَّجُل ثوبَه اذا خَاطَهٗ**'' سے ماخوذ ہے۔ناصح کے فعل کو اس جملہ کے ساتھ اس لیے تشبیہہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدمی کپڑے کے شگاف کو سی کر بہتر بنا دیتا ہے اسی طرح ناصح بھی منصوح کو نصیحت کر کے اس کی بھلائی و بہتری کرتا ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ ''**نَصَحْتَ العسلَ اذا صفیتَهٗ من الشمعٗ**'' سے ماخوذ ہے۔یہاں اس جملہ کے ساتھ تشبیہہ یہ ہے کہ ناصح اپنی بات کو ملاوٹ اور آمیزش سے اسی طرح پاک وصاف اور خالص رکھتا ہے جس طرح شہد کو موم کی ملاوٹ سے خالص کر لیا جاتا ہے۔(اربعین ترجمہ و اضافات از ارشاد الرحمٰن)

☆اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص و وفاداری

اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک جانا جائے اور اس کی ذات وصفات اور صفات کے لازمی تقاضوں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے' ہر قسم کے نقص وعیب سے اس کو منزہ اور مبرا سمجھا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں' میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے اور آپؐ کے درمیان کجاوہ کا صرف پچھلا حصہ حائل تھا۔آپؐ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: حضور غلام حاضر ہے' فرمائیں۔آپؐ نے سکوت اختیار کیا۔پھر کچھ دور چلنے کے بعد فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے وہی الفاظ دہرائے جو پہلی بار کہے تھے(لیکن آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا) پھر کچھ دور چلنے کے بعد آپؐ نے پکارا: معاذ بن جبل! عرض کیا: حضور غلام حاضر ہے' ارشاد فرمائیں۔تب آپؐ نے فرمایا:''تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟'' میں نے کہا: اللہ و رسول ہی بہتر علم رکھتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا:''اللہ کا حق بندے پر یہ ہے کہ وہ اسی کی بندگی کریں اور بندگی میں کسی غیر کو ذرا بھی ساجھی نہ بنائیں''۔پھر آپؐ نے تھوڑی دور چلنے کے بعد فرمایا:''اے معاذ! میں نے کہا: ارشاد فرمائیے' یہ غلام آپؐ کی بات غور سے سنے گا اور وفادارانہ آپؐ کی اطاعت کرے گا۔آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟'' میں نے کہا: اللہ و رسول ہی خوب واقف

ہیں۔آپؐ نے فرمایا:''اللہ کی بندگی کرنے والے بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے''۔(۲)

ایمان باللہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے نبی اکرمﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کی نمائندگی کرنے والے لوگوں سے پوچھا:''جانتے ہو اللہ واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ ورسول ہی بہتر علم رکھتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا:

((شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاِقَامُ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ))(۳)

''اس حقیقت کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز ٹھیک طریقے پر ادا کرنا، اور زکوٰۃ دینا، اور رمضان کے روزے رکھنا، اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرو''۔

اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کی اطاعت کی جائے اور معصیت سے دور رہا جائے، اسی کے لیے محبت کی جائے اور اسی کی خاطر بغض رکھا جائے، اس کو حاکم حقیقی تسلیم کیا جائے اور تمام مراسم عبودیت اسی کے لیے مختص کیے جائیں، اور تمام اعمال ادا کرتے ہوئے اس کی رضا اور خوشنودی کو پیش نظر رکھا جائے۔قرآن حکیم نے تصورِ توحید کے تمام تر پہلوؤں کو بے شمار مواقع پر بڑی جامعیت سے واضح کیا ہے۔اس لیے کہ شرک کی تمام تر آلودگیوں سے نجات پائے بغیر اللہ تعالیٰ سے خیر خواہی کا منشاء پورا ہونا ممکن ہی نہیں۔ سورۃ الاخلاص میں اسلام کے اس اوّلین بنیادی عقیدے کو چار نہایت مختصر فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔حضور نبی کریمﷺ کی نگاہ میں اس سورت کی بڑی عظمت تھی اور آپؐ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس کی اہمیت کا احساس دلاتے تھے۔نبی مکرمﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④﴾ (الاخلاص)

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من جاھد نفسه فی طاعة اللّٰه۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰه تعالٰی ورسوله......

’’کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔‘‘

اسی طرح جابجا اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۴﴾﴾ (الحشر)

’’وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے‘ وہی رحمان اور وہی رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے‘ نہایت مقدس‘ سراسر سلامتی‘ امن دینے والا‘ نگہبان‘ سب پر غالب‘ اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے‘ اس کے لیے بہترین نام ہیں‘ ہر چیز آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح کر رہی ہے‘ اور وہ زبردست اور حکیم ہے‘‘۔

☆اللہ کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی

اللہ کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا جائے کہ قرآن منزل من اللہ ہے‘ اس نے اپنے برگزیدہ فرشتے کے ذریعے پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر اتارا اور اس میں کسی قسم کی ٹیڑھ نہیں رکھی۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾﴾ (الکهف)

’’تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

’’جو شخص کتاب اللہ کی پیروی کرے گا وہ نہ تو دنیا میں بے راہ ہوگا اور نہ آخرت میں اس کے حصہ میں محرومی آئے گی۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا

یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾ (طٰہٰ) ''جو شخص میرے ہدایت نامہ کی پیروی کرے گا وہ نہ تو (دنیا میں) بھٹکے گا اور نہ (آخرت میں) بدبختی سے دوچار ہوگا''۔ (٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم سے استفادہ کا طریقہ یوں بیان فرمایا:

((نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی خَمْسَةِ اَوْجُهٍ: حَلَالٍ وَحَرَامٍ وَمُتَشَابِهٍ وَاَمْثَالٍ، فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ، وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ، وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ، وَاٰمِنُوا بِالْمُتَشَابِهِ، وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ)) (٥)

''قرآن پانچ نوعیت کے مسائل کے ساتھ اترا ہے: حلال وحرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ پس حلال کو حلال سمجھو، حرام کو حرام قرار دو، محکم (قرآن کا وہ حصہ جس میں عقیدہ اور قانون وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے) پر عمل کرو اور متشابہ (قرآن کا وہ حصہ جس میں آخرت کی باتیں بیان ہوئی ہیں، جیسے جنت، دوزخ، عرش، کرسی وغیرہ) پر ایمان رکھو (اور اس کی کرید میں مت پڑو) اور امثال (قوموں کی تباہی کے عبرت ناک قصے) سے عبرت حاصل کرو۔''

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا، وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا)) (٦)

''اللہ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انہیں برباد نہ کرنا، اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرنا اور کچھ حد بندیاں کی ہیں انہیں پھلانگ کر آگے نہ بڑھنا، اور کچھ چیزوں سے اس نے بلا بھولے خاموشی اختیار کی ہے ان کی کرید میں نہ پڑنا''۔

قرآن حکیم سے وفاداری اور اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تعظیم اور تلاوت کا حق

---

(٤) رواہ رزین ۔بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

(٥) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں قدرے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

(٦) سنن الدارقطنی، ص ٥٠٢ ۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسُّنۃ۔

بہترین انداز میں ادا کیا جائے۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۲۱)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔''

گویا وہ اس کی تلاوت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں' عملی زندگی میں اسے اپناتے ہیں' معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور اس کی حقیقی دعوت کو عام کرنے کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کرتے ہیں۔

☆حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اخلاص اور وفاداری

حضور نبی محترم ﷺ سے اخلاص اور وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لایا جائے' آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی جائے' آپؐ کی دل و جان سے توقیر و تعظیم کی جائے' آپؐ سے محبت کی جائے' ہر حال میں آپؐ کی نصرت و تائید کی جائے' آپؐ کے اوامر و نواہی کو مانا جائے' آپؐ کی دعوت و سنت کو عام کیا جائے' آپؐ کے بیان کردہ اخلاق و آداب کو پوری عقیدت و محبت سے اپنایا جائے اور آپؐ کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتَابُ اللّٰہِ' وَاَحۡسَنَ الۡھَدۡیِ ھَدۡیُ مُحَمَّدٍ ﷺ))(۷)

''بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے (جس کی پیروی کی جانی چاہیے)۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یَا بُنَیَّ اِنۡ قَدَرۡتَ اَنۡ تُصۡبِحَ وَتُمۡسِیَ لَیۡسَ فِیۡ قَلۡبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافۡعَلۡ' ثُمَّ قَالَ لِیۡ : یَا بُنَیَّ وَذٰلِکَ مِنۡ سُنَّتِیۡ' وَمَنۡ اَحَبَّ سُنَّتِیۡ فَقَدۡ اَحَبَّنِیۡ' وَمَنۡ اَحَبَّنِیۡ کَانَ مَعِیَ فِی الۡجَنَّۃِ)) (۸)

''اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو اس طرح زندگی گزار سکے کہ تیرے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو تو ایسی ہی زندگی بسر کر''۔ پھر فرمایا: ''اور یہی میرا طریقہ ہے (کہ میرے

(۷) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب فی الھدی الصالح۔

(۸) سنن الترمذی' ابواب العلم عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی الاخذ بالسُّنّۃ واجتناب البدع۔

دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہیں) اور جس نے میری سنت (طریقہ) سے محبت کی تو بلاشبہ اُس نے مجھ سے محبت کی‘ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا‘‘۔

ایک دوسری حدیث میں اطاعت رسول کے صحیح طریقہ کی نشاندہی فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آئے۔ جب انہیں اس کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے آپؐ کی عبادت کی مقدار کو کم تصور کیا۔ وہ کہنے لگے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا کیا مقابلہ؟ ان کی تو سب اگلی پچھلی لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہیں۔ (اور ہم معصوم نہیں‘ پس ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے) چنانچہ ان میں سے ایک نے اپنے لیے یہ طے کیا کہ وہ ہمیشہ پوری رات نوافل میں گزارے گا۔ دوسرے نے یہ کہا کہ میں ہمیشہ نفلی روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ اور تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا‘ کبھی شادی نہیں کروں گا۔ (جب آپؐ کو اس کی اطلاع ملی) تو آپؐ ان کے پاس آئے اور فرمایا: ’’کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟‘‘ پھر آپؐ نے فرمایا:

((اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ ‘ لٰـکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ ‘ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ‘ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ‘ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))(۹)

’’بلاشبہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں‘ لیکن دیکھو‘ میں (نفلی) روزے کبھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا‘ اسی طرح میں (رات میں) نوافل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (سو تمہارے لیے خیریت میرے طریقے کی پیروی میں ہے) پس جو کوئی میری سنت سے بے رخی برتے وہ میرے گروہ میں سے نہیں ہے۔‘‘

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش‘ اپنے ارادے اور قلبی رجحانات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کے تابع کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا یُـؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَـبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ))(۱۰)

---

(۹) صحیح البخاری‘ کتاب النکاح‘ باب الترغیب فی النکاح۔

(۱۰) الاربعون النوویۃ‘ ح ۴۱۔ ومشکوٰۃ المصابیح‘ ح ۱۶۷۔

''تم میں سے کوئی شخص (مطلوبہ درجہ کا) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی (ہدایت) کے تابع نہیں ہوجاتا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) (۱۱)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ' اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپؐ سے کہا: ''میں آپؐ سے بہت محبت کرتا ہوں'' آپؐ نے فرمایا: ''جو تم کہتے ہو اس پر غور کرلو'' اس نے تین بار کہا کہ ''بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں''۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر و فاقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار فراہم کرلو۔ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر و فاقہ سیلاب سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہے۔''(۱۲)

☆ائمۃ المسلمین کے لیے خیر خواہی

مسلمانوں کے اجتماعی نظم کے ذمہ داروں یعنی خلفاء اور ان کے امراء کے ساتھ خیر خواہی اور مخلصانہ وفاداری یہ ہے کہ حق پر ان کی معاونت اور اطاعت کی جائے' دعوت و تنظیم کے امور میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے' اگر وہ کج روی اختیار کریں تو بھلے انداز میں انہیں روکا جائے' غلط قسم کی رواداری سے اجتناب کیا جائے' تہذیب و شائستگی اور متانت و سنجیدگی سے تنقید کی جائے۔ اربابِ اقتدار پر بھی لازم ہے کہ وہ مخلصانہ تنقید کو برداشت کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے کسی بات پر ٹوکا تو مجمع میں ایک شخص نے امیر المؤمنین کی شان و حیثیت کا خیال کر کے ٹوکنے والے کو دبانا اور خاموش کرنا چاہا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **''دَعْهُ لا خيرَ فِيهِم ان لم يقولوها ولا خيرَ فينا ان لم نقبَل''** (کتاب الخراج' امام ابو یوسف) ''اس کو کہنے دو! اگر لوگ ہم

---

(۱۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان'باب حبّ الرسول من الایمان۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة رسول اللّٰه......

(۱۲) سنن الترمذی' ابواب الزهد 'باب ما جاء فی فضل الفقر۔

سے اس طرح کی باتیں نہ کہیں تو ان کے اندر کوئی خیر نہیں اور ہم اس طرح کی خیر خواہی قبول نہ کریں تو ہمارے اندر کوئی بھلائی نہیں''۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ ، فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ))(۱۳)

''(مسلمانوں کو اجتماعی معاملات کے ذمہ دار کی بات) سننی اور ماننی ضروری ہے' چاہے وہ حکم اپنی طبیعت کے لیے خوشگوار ہو یا ناخوشگوار' بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو وہ بات نہ سننی چاہیے نہ ماننی چاہیے''۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے (ایک مشترک اجتماع میں جس میں عوام اور ذمہ داران حکومت موجود تھے) تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! ہمارا تم پر حق ہے کہ پیٹھ پیچھے ہمارے خیر خواہ رہو اور نیکی کے کاموں میں ہم کو مدد دو (پھر فرمایا) اے ذمہ دارانِ حکومت! امیر کی بردباری اور اس کی نرمی سے زیادہ نفع بخش اور اللہ کو محبوب کوئی اور بردباری نہیں ہے۔ اس طرح امیر کی جذباتیت اور بے سلیقہ کام کرنے سے زیادہ ضرر رساں اور مبغوض کوئی اور جذباتیت اور بدسلیقگی نہیں ہے''۔ (کتاب الخراج' امام ابو یوسف)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

''میں تمہیں ایسے حکمرانوں سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو میرے بعد ہوں گے' جو ان کے پاس جائے گا اور ان کے جھوٹ میں ان کی اعانت کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور وہ میرے حوض پر میرے پاس نہیں آئے گا' اور جو ان کا ساتھ نہ دیں' ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہ کریں اور ان کے ظلم میں ان کے ساتھ تعاون نہ کریں تو یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے۔ یہ میرے حوض پر میرے پاس آئیں گے''۔ (۱۴)

☆ عام اہل اسلام کے لیے خیر خواہی

عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص' وفاداری اور خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھا جائے۔ ان کے حقوق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے' انہیں تکلیف پہنچانے سے گریز کیا جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری

(۱۳) صحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب السمع والطاعة ما لم تکن معصیة۔

(۱۴) سنن الترمذی' ابواب الجمعة' باب ما ذکر فی فضل الصلوٰة۔

کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی پریشانی کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی پریشانی کو دور کرے گا' اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔(۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ))(۱۶)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ اَخِیْہِ بَیْعًا فِیْہِ عَیْبٌ اِلَّا بَیَّنَہٗ لَہٗ))(۱۷)

''مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے اور اس میں عیب ہو تو اس کو چاہیے کہ اس عیب کو اس سے صاف صاف بیان کر دے''۔

یعنی عیب کو چھپانا کسی مسلمان تاجر کے لیے جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو مسلمان کا آئینہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ' یَکُفُّ عَلَیْہِ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُہٗ مِنْ وَّرَائِہٖ)) (۱۸)

''مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے اور مؤمن مؤمن کا بھائی ہے' وہ اس کو بربادی سے بچاتا ہے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتا ہے''۔

---

(۱۵) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ ۔

(۱۶) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔
وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدلیل علی من خصال الایمان ان یحب لاخیہ۔

(۱۷) سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب من باع عیباً فلیبینہ۔

(۱۸) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فی النصیحۃ والخیاطۃ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)) قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا نَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ نَنْصُرُہٗ ظَالِمًا؟ قَالَ : ((تَاْخُذُ فَوْقَ یَدَیْہِ))[19]

''تو اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم اس کی مدد کریں گے' لیکن اس کے ظالم ہونے کی صورت میں ہم اس کی کس طرح مدد کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم اسے ظلم کرنے سے روک دو (یہی اس کی مدد کرنا ہے)''۔

اُمتِ مسلمہ کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ بن کر رہیں' ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پیش آئیں' ایک دوسرے کو معروف کی تلقین کریں' برائی سے منع کریں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ))[20]

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر''۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ ' کَمَثَلِ الْجَسَدِ' اِذَا اشْتَکٰی عُضْوًا تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ جَسَدِہٖ بِالسَّھْرِ وَالْحُمّٰی))[21]

''تو مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے' محبت کرنے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ جسم کا حال ہوتا ہے کہ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو جسم کے بقیہ اعضاء بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا ساتھ دیتے ہیں''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِلْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ : یُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ وَیُجِیْبُہٗ اِذَا دَعَاہُ وَیُشَمِّتُہٗ اِذَا عَطَسَ وَیَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَیَتْبَعُ جَنَازَتَہٗ اِذَا مَاتَ

---

(۱۹) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب باب اعن اخاك ظالماً او مظلوماً۔

(۲۰) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب الدین النصیحة للّٰہ ولرسولہ......

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الناس والبھائم۔

وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))(۲۲)

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب ملے تو اسے سلام کرے' اور جب وہ اسے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے' اور جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو وہ اس کو جواب دے' اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے' اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے' اور اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھی سیرت وخصلت کے مسلمان سے اگر کبھی کوئی لغزش ہو جائے تو اس کو معاف کر دو' سوائے حدود کے''۔ (ابوداوٗد)

یعنی ایک مؤمن جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا اگر کبھی پھسل جائے اور اپنے آپ کو کسی گناہ سے آلودہ کر بیٹھے تو نہ اس کی غلطی کو پھیلاؤ اور نہ اسے بے وقعت کرو۔ ہاں اگر کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے جس کی سزا شریعت میں مقرر ہے تو ایسا گناہ معاف نہیں کیا جائے گا۔

اخذ واستفادہ

☆ راہِ عمل از جلیل احسن ندوی

☆ مفردات القرآن از علامہ اصفہانی

☆ اربعین (ترجمہ واضافات) ارشاد الرحمٰن

☆ دین خیر خواہی ہے' از شبیر احمد فلاحی

☆ تفہیم القرآن' جلد ششم

۞۞۞

(۲۲) سنن الترمذی' ابواب الادب عن رسول اللہ ﷺ' باب ماجاء فی تشمیت العاطس۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار

قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق۔ والد کا نام خطاب تھا۔ آٹھویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں ۱۳ سال چھوٹے تھے۔ عرب میں رائج شریفانہ مشاغل مثلاً نسب دانی، پہلوانی اور خطابت میں نام پیدا کیا۔ اس ماحول میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چند لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بڑے ہوئے تو تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس سلسلہ میں دور دراز کے سفر بھی کیے۔

عمر اپنے ڈھب پر زندگی گزار رہے تھے۔ جب اُن کی عمر ۲۷ سال کی ہوئی تو مکہ میں رسول اللہ ﷺ اسلام کی تبلیغ کا آغاز کر چکے تھے اور چند لوگ اسلام میں داخل بھی ہو چکے تھے۔ عمر نے اس طرف توجہ کی تو غضبناک ہوئے۔ ابتدا میں جو لونڈی غلام اسلام میں داخل ہوئے ان کو زدوکوب کرنے سے بھی گریز نہ کرتے، مگر کسی شخص کو بھی ان کی سختی اسلام سے بددل نہ کر سکی۔

عمر بااثر شخصیت کے مالک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اسلام لانے کی دعا کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی:

((اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلٍ اَوْ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ)) قَالَ وَکَانَ اَحَبُّھُمَا اِلَیْہِ عُمَرُ))[1]

''اے اللہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ان دو آدمیوں ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے''۔ (تو ان دونوں میں

عمرؓ اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ تھے (جنہیں اللہ نے ہدایت عطا فرمادی)۔‘‘

ہوا یوں کہ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو قتل کر دے اسے سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی انعام میں دی جائے گی۔ عمر نے ابوجہل سے بات کر لی اور اللہ کے رسول ﷺ کے قتل کے ارادے سے تلوار لے کر چل پڑے۔ راستے میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ پوچھنے لگے اس طیش میں کدھر جا رہے ہو؟ عمر نے جواب دیا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا عمر! کچھ خبر بھی ہے تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس پر رُک گئے اور بہن کے گھر پہنچے۔ بہن اُس وقت سورۂ طٰہٰ کی آیات تلاوت کر رہی تھی۔ عمر نے دروازے کے باہر سے آواز سن لی۔ دروازہ کھلوایا تو پوچھا تم کیا پڑھ رہی تھی؟ بہن نے جواب دیا ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس پر عمر غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ عمر نے اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کیا۔ جب بہن بچانے کے لیے آگے بڑھی تو اس پر بھی ہاتھ اٹھایا۔ بہن نے کہا عمر کچھ بھی کر لو اب ہم اسلام کو چھوڑنے والے نہیں۔ بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اور اس کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھ کر عمر کا دل پسیج گیا۔ کہنے لگے تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کی۔ جب یہ آیت تلاوت کی ﴿اَللّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی﴾ تو عمر کی دنیا بدل گئی۔ دل نے حق کو پہچان لیا۔ بول اٹھے کہ بلاشبہ عبادت کے لائق فقط اللہ ہی ہے۔ اُسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

نمی دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

رات وہیں گزاری اور صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش وادیوں کے نشیب و فراز میں کرتے تھے اور کیا اللہ کی عبادت ہم چھپ کر کریں گے؟ ایسا نہیں ہوگا' بلکہ آج سے ہم خانہ کعبہ کے صحن میں نماز ادا کریں گے۔ چنانچہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب علانیہ نماز پڑھ سکیں۔ (معارف الحدیث' جلد ۸) اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے وفورِ انبساط کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' کے لقب سے نوازا۔ یہ واقعہ ۶ نبوی کا ہے۔

۱۳ نبوی میں جب مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے ساتھ عازمِ مدینہ ہوئے۔ پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو کر طواف کیا اور نماز پڑھی، پھر اعلانیہ ہجرت کے سفر کا آغاز کرتے ہوئے مشرکین مکہ سے کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر میرا راستہ روکے۔ مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ (زرقانی، ج۱، ص ۳۷۱) مدینہ پہنچ کر حضرت عمر عوالی (قبا) میں رفاعہ بن منذر کے ہاں ٹھہرے۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ خود بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے غریب الوطن مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں مواخات کا بے نظیر و بے عدیل انتظام فرمایا۔ ہر مہاجر کو اس کے ہم رتبہ و ہم حیثیت انصاری کا بھائی بنا دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی عتبان بن مالکؓ قرار پائے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی۔ اب ضرورت محسوس ہوئی کہ کس طرح لوگوں کو جماعت کا وقت قریب ہونے کی اطلاع دی جائے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو مختلف آراء سامنے آئیں، مگر آپؐ نے کسی کو پسند نہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص انہیں اذان کے کلمات سکھا رہا ہے۔ چنانچہ صبح ہوئی تو انہوں نے وہ کلمات رسول اللہ ﷺ کو بتائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سچا خواب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہی کلمات کو پکار کر اذان دیں۔ عمرؓ بن خطاب نے جب اذان کے الفاظ سنے تو باہر نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے قسم اُس ذات پاک کی جس نے آپؐ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **فللّٰہ الحمد**(۲) اذان کے وہی الفاظ اب ہر نماز کے وقت بلند آواز میں پکارے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے پاک باز، متقی اور صاف باطن ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب کو الہامی تعلیمات کے ساتھ نوازتا ہے۔ ایسی تقویٰ شعار ہستیاں ہر اُمت میں موجود رہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے ایسے افراد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلی اُمتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے۔ تو اگر میری اُمت

میں سے کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر ہیں‘‘۔(۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی اسی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ کئی مقامات پر حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ذہن میں وہ باتیں ڈالی گئیں جن کی موافقت میں وحی نازل ہوئی اور وہ آیات قرآن پاک کا حصہ بن گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلَاثٍ: فِیْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ(۴)

’’میں نے تین باتوں میں اپنے پروردگار سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو ربّ العالمین کا حکم آنے والا تھا): مقامِ ابراہیم کے بارے میں اور پردے کے مسئلہ میں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں‘‘۔

مقامِ ابراہیم سفید رنگ کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ معجزانہ طور پر اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات نمایاں ہو گئے۔ یہ پتھر خانہ کعبہ کے پاس پڑا رہتا تھا۔ اس پتھر کی فضیلت کے پیش نظر حضرت عمر کی خواہش ہوئی کہ کاش یہاں نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۵ نازل ہوگئی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ﴾ ’’اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیا کرو‘‘۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ تاہم یہ ایک مستحب عمل ہے‘ یعنی اگر آسانی سے مقام ابراہیم کے قریب نماز پڑھی جا سکے تو فبہا‘ ورنہ مسجد حرام میں یہ نماز جہاں جگہ ملے پڑھی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بضرورت آنا جانا رہتا تھا۔ پردے کی پابندی کا حکم نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پردہ کیا کریں۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیات نازل ہو گئیں‘ جن میں ازواج النبی اور مسلمان خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ پردے کی پابندی کیا کریں۔

جنگ بدر کفر اور اسلام کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اس میں کفار کے آدمی قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ چونکہ ابھی اس ضمن میں اللہ کا حکم نہ پہنچا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ اُن کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خود رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ نہ صرف ان اَشرار کا

خاتمہ ہو جائے بلکہ مسلمانوں کا رعب کفار پر چھا جائے اور وہ آئندہ کبھی مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کریں۔ اس موقع پر عمل پہلی رائے پر کیا گیا مگر بعد ازاں سورۃ الانفال کی آیات ۶۷'۶۸ نازل ہوئیں جن میں حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب کی گئی۔

حضرت عمرؓ کا مزاج قبولِ اسلام کے بعد مکمل طور پر تبدیل ہو گیا تھا اور وہ پورے طور پر اسلامیت میں رنگے گئے تھے۔ ان کے خیالات پر صبغۃ اللہ غالب آ گیا تھا۔ وہ سراپا اسلام ہو گئے' ان کی زبان حق کی ترجمان ہو گئی۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ))(۵)

''اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور اس کے دل میں حق رکھ دیا ہے''۔

اسی طرح ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے جس کا وہ اظہار کرتے ہیں''۔(۶)

گویا حق گوئی ان کا طرۂ امتیاز تھا' مگر کبھی کبھی اجتہادی خطا آپؓ سے بھی ہوئی ہے کیونکہ اجتہادی خطا سے کوئی فردِ بشر مبرا نہیں۔ مجموعی طور پر آپؓ نے جس معاملے کو حق سمجھا وہ حق ہی ہوتا تھا۔ یہ خوبی آپؓ کی امتیازی خصوصیت تھی۔ حضرت عمر فاروق کو ۱۶ سال تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ اس عرصہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی اس قدر قربت حاصل ہوئی کہ آپؓ مزاج شناسِ رسالت ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ))(۷)

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے''۔

عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا اُس وقت قریش میں صرف سترہ آدمی خواندہ تھے۔ ان خواندہ لوگوں میں حضرت عمر بھی تھے۔ بعد ازاں انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ حضرت عمرؓ کی علمیت کا خود رسول اللہ ﷺ نے اعتراف کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں سو رہا تھا' اسی حال میں میرے پاس دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لایا گیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا' یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک محسوس کیا۔ پھر میں نے وہ دودھ جو میرے پینے سے بچ گیا تھا وہ عمر بن خطابؓ کو دے دیا کہ وہ اس کو پی لیں''۔ بعض صحابہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپؐ نے اس کی تعبیر کیا بتائی؟ آپؐ نے فرمایا ''علم''۔(۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف درجات وفضائل کے افراد تھے۔ کچھ مقام ومرتبہ کے لحاظ سے دوسروں کی نسبت بلند تھے۔ دین کی سمجھ بوجھ ان میں زیادہ تھی۔ پھر وہ دین کے احکام پر پختگی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کا فہم رکھنے والے ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے سوتے میں خواب دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے لایا جاتا ہے اور اُن سب نے کرتے پہن رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کرتے صرف سینے تک ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے کرتے سینے سے کچھ نیچے تک ہیں۔ اسی اثنا میں عمر بن خطاب بھی میرے سامنے لائے گئے۔ ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ زمین کے ساتھ لگ رہا تھا اور وہ اس کو زمین پر گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ بعض صحابہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپؐ نے فرمایا: ''دین''۔(۹)

گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فہم دین باقی لوگوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ لباس جسم کو گرمی سردی سے بچاتا اور حفاظت کرتا ہے۔ دین جسم کا روحانی لباس ہے جو اُس کو عذاب سے بچاتا اور وسیلہ نجات بنتا ہے۔ پس حضرت عمرؓ کے لباس کی وسعت کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ وہ دین میں مضبوط اور روحانی طور پر بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلا قابل ذکر تصادم بدر کے میدان میں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کا ماموں دشمن اسلام عاص بن ہشام ان کی تلوار کی زد میں آیا تو انہوں نے اسے جہنم واصل کیا اور عملاً ثابت کر دیا کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت داری کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنے۔ قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا تو حضرت عمرؓ کے مشورے کی تائید میں قرآنی آیات نازل ہوگئیں جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔

۳ ہجری میں جنگ اُحد ہوئی۔ ابتدا میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ پھر جب درے پر مامور صحابہؓ کی غلطی کی بنا پر دشمن کے گھڑ سواروں نے اچانک حملہ کر دیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور آپؐ ایک گڑھے میں گر کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس پر ابوسفیان نے یہ سمجھ کر آواز لگائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سمیت شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں جواب دیا کہ اے دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔ غزوۂ اُحد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا۔

۴ ہجری میں جب بنونضیر کو اُن کی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تو اس واقعے میں بھی حضرت عمر شریک تھے۔ ۵ ہجری میں غزوۂ خندق میں بھی حضرت عمر شریک تھے اور خندق کے ایک حصے کی حفاظت پر مامور تھے۔ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ مکہ سے دو منزل دور تھے کہ اطلاع ملی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا گیا۔ بعد ازاں شرائط معاہدہ طے ہوئیں تو ایسا لگتا تھا کہ مسلمان دب کر صلح کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت اضطراب ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوال جواب کیے۔ اندازِ گفتگو سے سوءِ ادب کا پہلو نکلتا تھا۔ چنانچہ بعد ازاں ندامت محسوس کی اور کفارے کے طور پر روزے رکھے' نفل پڑھے' خیرات کی اور غلام آزاد کیے۔

جنگ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی مقدار میں مال لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جتنا لے کر آیا ہوں اتنا ہی اہل وعیال کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ (۱۰) گویا آپؓ نے گھر کے کل مال کا نصف رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔

ربیع الاول ۱۱ھ کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ صاحب فراش ہوئے۔ ۱۲ ربیع الاول کو آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدمے سے بے حال ہو رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس وقت ہوش وحواس کھو بیٹھے اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصحیح کر کے حقیقت واضح کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف رائے ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی' جس پر دوسروں نے بھی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے''۔ (۱۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے دست و بازو اور مشیر رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد خلافت کی وصیت حضرت عمر فاروق کے حق میں کر دی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی مدت ساڑھے دس سال رہی اور یہ سارا زمانہ عسکری کارروائیوں میں گزرا۔

اسلامی تاریخ کا یہ سنہری دور ہے جس میں اسلامی سلطنت کی وسعت ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ کی فتوحات‘ اولیات‘ اصلاحات اور فلاحی کارناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس مضمون میں اس کے لیے گنجائش نہیں‘ اس کے لیے الگ سے ایک کتاب درکار ہے۔ آپ کا اندازِ زیست‘ لباس اور خوراک انتہائی سادہ تھے۔ آپؓ کے کرتے میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ اپنے عہدیداروں کو بھی یہی انداز اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ خلاف ورزی پر سزا دیتے اور عہدے سے ہٹا دیتے۔ ۱۵ھ میں جب لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو آپ کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا‘ اور یہی رقم ہر بدری صحابی کی تھی۔

حضرت عمرؓ فجر کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک مجوسی غلام ابولولو نے خنجر کے وار کر کے آپ کو شدید زخمی کر دیا اور پھر خودکشی کر لی۔ اس زخمی حالت میں آپؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کی وساطت سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے اجازت حاصل کر لی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ چنانچہ حضرت صہیبؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپؓ روضۂ اقدس میں ابوبکر صدیق کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ○○

حواشی

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب مناقب عمر بن الخطابؓ۔

(۲) سنن ابی داؤد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب بدء الاذان۔

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب المناقب‘ باب مناقب عمر بن الخطاب۔

(٤) صحیح مسلم‘ کتاب فضائل الصحابۃ‘ باب من فضائل عمرؓ۔

(٥) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب مناقب عمرؓ۔

(٦) سنن ابی داؤد‘ کتاب الخراج والامارۃ‘ باب فی تدوین العطاء۔

(٧) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب مناقب عمرؓ۔

(٨) صحیح البخاری‘ کتاب المناقب‘ باب مناقب عمر بن الخطابؓ۔

(٩) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال۔

(١٠) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب فی مناقب ابی بکر وعمر کلیهما۔

(١١) صحیح البخاری‘ کتاب المناقب‘ باب لو کنت متخذًا خلیلاً۔

جھگڑے کے اسباب اور علاج

بنت محییٰ

عربی زبان کا لفظ ''الخصم'' مخالفت اور جھگڑا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں انسان کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴿۷۷﴾﴾ (یٰس)

''کیا انسان نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے اُس کو نطفے سے پیدا کیا' بایں ہمہ وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا۔''

نطفہ مختلف مراحل سے گزر کر انسان بنا۔ اللہ کی رحمت سے اسے مکمل صحت' قوت اور عقلی طاقت ملی تو اُس نے اپنی ان صلاحیتوں کو کبھی اللہ سے اور کبھی بندوں سے جھگڑنے میں لگا دیا۔

انسان کی کمزوری ہے کہ وہ معمولی باتوں پر مشتعل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک افسوس ناک کیفیت ہے جس سے حواسِ انسانی معمول پر نہیں رہتے اور یہ کیفیت عقل پر چھا جاتی ہے۔ انسان کے حقوق جب پامال ہوتے ہیں تو اپنی ذات سے محبت اور خودی انسان کو غصہ پر آمادہ کرتی ہے' اور غصہ کی حالت میں وہ انصاف نہیں کر سکتا۔

انسانی اخلاق عقل کے زیر اثر ہیں' لیکن احساسات سے عاری نہیں ہیں' کیونکہ انسان کی پوری زندگی احساسات کے سہارے بسر ہوتی ہے۔ خیر و نیکی باعث مسرت اور شر و فساد تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ نیکی اور خیر سے جہاں سکونِ قلب میسر آتا ہے وہاں شر و فساد سے قلبی اور روحانی بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات تمام شعبہ ہائے زندگی کا احاطہ کرتی ہیں۔ اسلام کو نہ ماننے والا بھی ان کے حصار سے نہیں نکل سکتا۔ اسلام کے پیچھے ایک طاقت ور تصور ہے لیکن اخلاق کے پیچھے کوئی طاقت یا تصور نہیں۔ اسلام کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے' وہ مشکل وقت میں اللہ کو پکارتے ہیں۔ اخلاق صرف اپنے ضمیر کی پکار ہے۔

غصہ عقل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ غصے کی حالت میں انسان اپنے کئی نقصانات کر لیتا ہے'

جس سے وہ جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس حالت سے ہر ممکن حد تک بچنا ضروری ہے۔اس کا علاج یہ ہے کہ انسان غصے پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور یہی کسی انسان کی بہادری کی علامت ہے۔جس طرح حدیث میں ہے: ((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ))[1] ''کشتی میں پچھاڑ دینے کا نام بہادری نہیں۔حقیقت میں بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت نفس پر قابو پالے''۔

نقصانات

یہ انسانی کیفیت جسم وروح کو گرماتی اور خون میں جوش پیدا کرتی ہے' جس کا اظہار خارج میں ہوتا ہے۔ یہ انسان کی خواہش انتقام ہے۔انسان کے اندر غصے کی حالت جس قدر ترقی کرتی جائے گی اسی رفتار سے انسان کی عقل پر اندھیرے کا غلاف چڑھتا جائے گا۔غصے کے عقل پر غالب آنے سے حواس معطل ہو جاتے ہیں' یہی انسان کا نقصان ہے۔

غصہ کی حالتیں

بعض لوگوں کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے' یہ درست نہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں جلد غصہ آتا اور دیر سے ختم ہوتا ہے' یہ بھی صحیح نہیں۔بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے' یہ حالت کم نقصان دہ ہے۔غصہ آگ کے دھوئیں کی طرح ہے۔ وہ انسان کو اپنی لپیٹ میں لیے رہتا ہے تاوقتیکہ انسان اس سے چھٹکارا نہ پالے۔

غصہ کی وجوہات

اس کے کئی اسباب ہیں' مثلاً جھگڑا' ظلم' غرور' خود بینی' خرابیٔ مزاج' بے جا مذاق' بے وفائی اور زیادتی وغیرہ۔اس حالت میں چند بیماریاں بھی سامنے آتی ہیں' جیسے دوستوں کی دشمنی' کمینوں کا مذاق اڑانا' دنیا وآخرت میں بدلے کا خوف' دشمنوں کا خوش ہونا' بعد میں خجالت شرمندگی اور افسوس ہونا' غصے کی حالت میں تکلیف کا احساس' طبیعت کی تبدیلی وغیرہ۔ جب انسان غصے میں ہو تو اسے اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ غصہ کیوں آیا؟ جس وجہ سے غصے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو رفع کیا جائے۔ یہ غصہ کا بہترین علاج ہے۔

جھگڑا کب ہوتا ہے؟

جب ایک شخص دوسرے کی مرضی کے خلاف بات کرتا ہے یا کوئی بات اسے اپنی شان

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب فضل من یملك نفسه عند الغضب......

کے خلاف نظر آتی ہے تو جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تکبر ہے۔ خود کو بڑا اور عقلمند سمجھنا، اپنی بات کو حتمی جاننا، اسے منوانے کی خواہش رکھنا اور اگر کوئی نہ مانے تو زور سے منوانا ہی اصل میں جھگڑا ہے۔

جھگڑے کے اسباب

لڑائی جھگڑے کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔ جلد بازی، غلط فہمی، غلط بیانی، چغل خوری، بحث مباحثہ، دل آزاری، غلطی کا اعتراف نہ کرنا، درگزر نہ کرنا، انا پرستی وغیرہ۔ جھگڑا اس صورت میں ہوتا ہے جب سیدھی بات کا غلط مطلب نکال کر سیاق و سباق سے ہٹ کر بیان کیا جائے۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ: ''اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں''۔(۱)

دوسروں کا اخلاق جیسا بھی ہو ہمیں اچھے طریقے سے پیش آنا چاہیے۔ حضورﷺ نے ایک شخص کو قبیلے کا بدترین شخص کہا، لیکن جب وہ آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اس سے اچھے انداز سے بات کی۔ اُس شخص کے بداخلاق ہونے کے باوجود آپؐ نے بہت اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ اصل حسنِ اخلاق یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں دوسروں سے احسن انداز سے پیش آئیں۔ دوسرے خواہ اچھائی کریں یا برائی، ہمارا رویہ ہمیشہ احسان و درگزر پر مبنی ہونا چاہیے۔

غصہ انسان کی ایک باطنی صفت ہے۔ یہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ غصہ کے وقت انسان درج ذیل کیفیات سے دوچار ہوتا ہے: جب غصہ آ گیا تو انسان مغلوب ہو گیا، پھر چہرہ سرخ اور رگیں پھول گئیں، پیشانی تن گئی، بل پڑ گئے۔ زبان بے قابو ہو کر اول فول بکنے لگی، ہاتھ پاؤں جلنے لگے، سانس اور نتھنے پھولنے لگے، عقل خبط ہو گئی، آنکھیں سرخ انگارہ، بعض اوقات منہ سے تھوک بھی بہنے لگتا ہے۔ یہ غصہ کی کیفیت ہے جو دل میں پیدا ہو کر انسان کو ظاہری طور پر بے حال کر دیتی ہے۔ غصہ باطنی رذائل کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اسی کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور باطنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ غصہ حدِ اعتدال میں ہونا چاہیے کہ ضرورت کے وقت آئے، بلاضرورت نہیں۔ حق و باطل کے ایک معرکے کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو قابو کر لیا اور اسے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ اُس کو قتل کرنے لگے تو اُس بدبخت نے آپؓ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپؓ فوراً اُسے چھوڑ کر الگ ہو گئے، کیونکہ پہلے غصہ اللہ کی خاطر تھا، پھر

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب المداراة مع الناس ......

اپنی ذات بھی اس میں شامل ہو گئی تو دل میں خیال آیا کہ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا صحیح نہیں‘ چنانچہ اسے چھوڑ دیا۔

اختلاف ایک فطری امر ہے

اختلاف ایک فطری شے ہے‘ لہٰذا ہم اس سے کلی طور پر نہیں بچ سکتے۔ فکر و نظر کے فرق مٹائے نہیں جا سکتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں ٹکراؤ سے بھی بچنا ہے اور قابل عمل حل تلاش کرنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اعراض برتا جائے۔ دوسروں کے تکلیف دہ رویے پر صبر باعث اجر ہے جبکہ مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ ہر چیز کا فرق مٹانا مشکل ہے۔ امیر و غریب‘ دن اور رات‘ موسموں کے تغیرات‘ مزاجوں کے اختلافات فطرت کا حصہ ہیں۔ ان کا مقابلہ کریں‘ خود کو دھوکا نہ دیں۔ یہ فرق اللہ نے رکھا ہے‘ ہم اسے بالکل بدل سکتے ہیں نہ کلیتاً ختم کر سکتے ہیں۔ ہمیں لازماً اسے قبول کرنا ہوگا۔ جس طرح ہمارے جسم کے اعضاء اختلاف کے باوجود ایک ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں‘ ہمیں بھی یہی رویہ اپنانا ہوگا اور کچھ لو کچھ دو (give and take) کے اصول پر عمل کرنا ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ احسان کر کے دوسروں کے رویے بدلیں۔ جسمانی اعضاء ہمیں سکھا رہے ہیں کہ اختلاف کے باوجود اتحاد سے مل کر کام کرنے میں ہی کامیابی ہے۔ اسی میں بلندی اور آسانی ہے‘ یہی اللہ کی رضا ہے۔

اپنی چال میں توازن اور رویے میں نرمی پیدا کریں‘ اپنی سوچ مثبت رکھیں‘ دوسروں کو ان کا مقام دیں۔ اس دنیا میں اپنی حیثیت سمجھیں اور اپنے مقام کو پہچانیں۔ ہم مسلسل امتحان میں ہیں۔ یہ اختلاف ہمارے امتحان اور پرکھ کے لیے ہے۔ خاموشی جھگڑے کے خاتمے کا بہترین حل ہے۔ دوسروں کی پوشیدہ باتیں تلاش نہ کریں‘ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں نہ رہیں۔ کسی کی ایک خامی کی وجہ سے اس کی دوسری خوبیوں کو نظر انداز نہ کریں۔ آپس میں میل جول جاری رکھیں ورنہ مسائل بڑھیں گے۔ حضرت انس ؓ کی دس سالہ خدمت میں نبی اکرم ﷺ کا ان کو کسی کام پر ٹوکنا تو کجا جھڑکنا بھی ثابت نہیں ہے۔ یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی دوسری کوئی نظیر نہیں ملتی۔

سلام میں پہل کریں اور زیادہ اجر پائیں۔ اللہ کے لیے تواضع کرنے والے کو اللہ بلندی عطا کرتے ہیں۔ حد سے نہ بڑھیں۔ لفظ اشتعال شعلے سے نکلا ہے جس پر پانی ڈال کر ٹھنڈا کریں‘ بجھے پر تیل نہ چھڑکیں کہ شعلے دوبارہ بھڑک اٹھیں۔ آگ نہ لگائیں‘ من کی آگ کو تن پر

پانی ڈال کر (وضو کر کے) ٹھنڈا کریں۔ کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہیں تو لیٹ جائیں، جگہ بدل لیں، موضوع بدل لیں۔ وہ لوگ زندگی میں کامیاب ہیں جو مثبت سوچ رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت خطبہ دے رہے ہیں اور عورتوں کا مہر محدود کر رہے ہیں، ایک عورت کھڑی ہو کر کہتی ہے کہ اے عمرؓ! ہمارے جس حق پر اللہ نے کوئی پابندی نہیں لگائی آپ اُس کو کیونکر محدود کر رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ بھری محفل میں اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شہر میں تو ہر شخص عمر سے بڑھ کر فقیہہ ہے۔

زبان کو لگام دیں۔ جھگڑے کا سبب اگر زبان (گفتگو) ہے۔ زبان کا بہترین استعمال اللہ کی طرف بلانا اور اسے اس کے ذکر سے تر رکھنا ہے۔

ذاتی تکبر سے دلوں میں تنگی آ جاتی ہے اور دین بہت پیچھے چلا جاتا ہے۔ انا پرستی کے جال سے نکلیں اور شکایتی رویے سے بچیں۔ صحابہ کرامؓ بڑے بڑے کام کر گئے، کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں دین کے لیے جیتے تھے۔ وہ اللہ کے بندوں کے لیے جیتے تھے۔ ان کے لیے ان کی ذات بڑی چھوٹی چیز تھی۔ دلوں میں وسعت لائیے۔ دلوں کی وسعت اللہ سے مانگیے۔ جب تک دل بڑے نہیں ہوں گے بڑا کام نہیں کر سکیں گے۔ آپ اتنا بوجھ اٹھا سکیں گے، جتنی قوتِ برداشت ہوگی اور اتنا ہی اجر بڑا ہوتا چلا جائے گا۔ ظرف بڑھائیے کہ اللہ وسعت کے مطابق ہی دیتا ہے۔ اے اللہ! اخلاقِ حسنہ کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔ تیرے سوا اچھے اخلاق کی راہ کوئی نہیں دکھا سکتا۔ برے اخلاق کو ہم سے دُور کر دے۔ انہیں تیرے سوا کوئی نہیں دور کر سکتا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ تدریس کے زیر اہتمام

فہم دین کورس

11 مئی 2009ء سے آغاز ہو رہا ہے (ان شاء اللہ)

دورانیہ: 3 ماہ ...... اوقات تدریس: مغرب تا عشاء (سوموار تا جمعرات)

مضامین: ابتدائی عربی گرامر ☆ تجوید و قرأت ☆ نماز و ادعیہ ماثورہ ☆ ترجمہ قرآن مجید

رابطہ: قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501

بقیہ: عرضِ احوال

اداروں نے پوری طرح قبول نہ کیا' جس سے امریکہ کو وہ سہولیات حاصل نہ ہوسکیں جن کا وہ خواہش مند تھا۔ اسی لیے وہ تلملا رہا ہے اور حکومت کی رٹ نہ ہونے کی دہائی دے رہا ہے۔

یہ تو ہے دشمنوں کی سازش —— لیکن سازش کو محض بے نقاب کر دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اصل سوال یہ ہے کہ ہم دشمن کی اس مذموم سازش کو ناکام کس طرح بنائیں؟ ہماری رائے میں اس کے دو حل ہیں' ایک ہنگامی اور فوری' اور دوسرا مستقل اور پائیدار۔ امریکہ پاکستان کے خلاف دو طرح سے مورچہ زن ہے۔ ایک اُس نے امداد اور اقتدار کے لالچ سے ہماری سیاسی قیادت کو قابو کیا ہوا ہے اور اُنہیں پاکستان کی بجائے امریکہ کے مفادات پورے کرنے کے لیے ڈکٹیٹ کر رہا ہے' اور دوسرے پاکستانی قوم میں صوبائی' لسانی اور مذہبی تعصّبات کو ہوا دے کر ہر سطح پر تقسیم کرو اور لڑاؤ کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ خاص طور پر مذہبی منافرت پھیلانے میں بڑے زور وشور سے کام ہو رہا ہے۔ لہٰذا فوری طور پر کرنے والے کام یہ ہیں کہ قوم میں اتحاد پیدا کیا جائے' مذہبی رواداری میں اضافہ کیا جائے' برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ مساجد' امام بارگاہوں اور درباروں پر جو بم دھماکے ہو رہے ہیں یہ اسی سازش کا حصہ ہیں۔ ایران سے تعلقات بہتر کرنے میں بھی یہ امریکی بدنیتی شامل ہے کہ اُسے بلوچستان کے معاملے میں انگیخت کیا جائے اور شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ہم سب کا بچاؤ صرف اور صرف باہمی اتحاد سے دشمن کی اس چال کو ناکام بنانے میں ہے۔

جہاں تک مستقل اور پائیدار حل کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک پاکستان میں اسلام بحیثیت نظام نافذ نہیں ہوتا' پاکستان اندرونی اور بیرونی خطرات سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ حقیقت میں اسلام ہی ایک ایسا سیمنٹ ہے جو چاروں صوبوں کو آپس میں پختگی سے جوڑ سکتا ہے۔ اسلام ہی پاکستان کی بنیاد ہے اور اسلام ہی پاکستان کو مستحکم اور مضبوط بنا سکتا ہے۔ پاکستان کو بچانے کے لیے ہم سب کو مل جل کر اسلام کی رسّی کو تھامنا ہوگا' اور جو لوگ یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ کس کا اسلام؟ اُنہیں ایک ہی جواب دیا جائے کہ اللہ اور اُس کے رسولﷺ کا اسلام! ہمارے بزرگوں نے ۱۹۵۱ء میں متفقہ طور پر جو بائیس نکات تیار کئے تھے اُنہی کو بنیاد بنا کر ملک میں اسلام نافذ کر دیا جائے۔ سب مسالک اس کو قبول کریں گے اور امریکی سازش ناکام ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ!)